درجہ تخصص فی الفقہ، سال اول، تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان کے نصاب میں شامل
افتاء سے متعلق جامع کتاب
شرح
عقود رسم المفتی
سوالاً جواباً
مع
اعلام الفتوی مطلقا
قول الامام (تلخیصا)
ترجمہ، تلخیص وترتیب
شیخ الحدیث مفتی محمد صدیق ہزاروی مدظلہ العالی
سابق رکن اسلامی نظریاتی کونسل
مکتبہ اعلیٰ حضرت

فقہی مسائل کا شوق رکھنے والے احباب اس کتاب میں
درجہ ذیل عنوانات پر معلومات حاصل کر سکیں گے

کن کتب سے فتویٰ دینا جائز نہیں؟

گستاخِ رسول کی توبہ کی عدم قبولیت اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ

کیا از خود کتب کا مطالعہ کرنے والا فتویٰ دے سکتا ہے؟

ایک مسئلہ میں مجتہد کے دو قول ہوں تو عمل کس پر ہوگا؟

کیا امام اعظم کے شاگردوں کے اقوال آپ ہی کے ہیں؟

کیا اذا صح الحدیث فھو مذہبی امام اعظم کا قول ہے؟

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کرنے کے اہل کون لوگ ہیں؟

اجتہاد کی اقسام کتنی ہیں؟ دورِ حاضر کے مفتی کی ذمہ داری کیا ہے؟

کسی عالم کا ''لَا اَدْرِیْ - میں نہیں جانتا'' کہنا کب ضروری ہے؟

عرف کی تعریف کیا ہے؟ کیا عرف شرعی حجت ہے؟

کیا احکام عرف کے بدلنے سے بدلتے ہیں؟

عرف بار بار بدلے تو کیا حکم ہے؟

کیا مفتی اپنے زمانے کے عرف پر عمل کرے گا؟

عرف کو چھوڑ کر فتویٰ دینے کا حکم؟ اگر عرف شریعت کے خلاف ہو تو؟

عرف کی اقسام اور ان کے احکام؟ قول ضعیف پر فتویٰ دینا یا عمل کرنا کیسا؟

کوئی شخص ضعیف روایت پر خود عمل کر سکتا ہے؟

کیا مفتی ذاتی عمل میں اجتہاد کر سکتا ہے؟

نام کتاب	شَرْحُ عُقُوْدِ رَسْمِ الْمُفْتِيْ
زبان	عربی
موضوع	فقہ
مصنف	سید محمد امین بن عمر بن عبد العزیز المعروف علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ
نام کتاب	اَجْلَى الْاِعْلَامِ اَنَّ الْفَتْوٰى مُطْلَقًا عَلٰى قَوْلِ الْاِمَامِ
زبان	اردو
موضوع	فقہ
مصنف	اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت الحافظ القاری مولانا الشاہ امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ وتلخیص	شیخ الحدیث مفتی محمد صدیق ہزاروی مدظلہ العالی
کمپوزنگ	محمد اسامہ صدیق ہزاروی، مولانا محمد شفاقت علی
سن اشاعت	فروری 2018ء بمطابق جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ
ہدیہ	-/120 روپے
ناشر	مکتبہ اعلیٰ حضرت، دربار مارکیٹ، لاہور

فون: 37247301 (042)

سیل: 0300-8842540, 0315-8842540

نوٹ: اس کتاب کی پروف ریڈنگ میں بے حد احتیاط کی گئی ہے تاہم بشری تقاضا کے تحت کوئی غلطی رہ گئی ہو اور قارئین مطلع ہوں تو ادارہ کو ضرور بضرور اطلاع دیں۔

☆☆☆

فہرست

رسالہ: اَجْلَی الْاِعْلَامِ اَنَّ الْفَتْوٰی مُطْلَقًا عَلٰی قَوْلِ الْاِمَامِ

چند مقدمات

☆............☆............☆

معروضہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسانی زندگی میں جہاں دیگر ضروریات کے لئے مطلوبہ اشیاء کے حصول کی خاطر ان کے مراکز میں جانا پڑتا ہے وہاں احکام خداوندی اور تعلیمات نبوی پر عمل کے لئے علمی راہ نمائی حاصل کرنے کے لئے اہل علم کے دروازے پر دستک دینا پڑتی ہے اسی بات کی طرف اس آیت کریمہ میں متوجہ کیا گیا ہے ارشاد خداوندی ہے:

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۙ (سورۃ النحل آیت ۴۳)

اہل ذکر (یعنی اہل علم) سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے

یہ اہل علم جن سے شرعی احکام کی راہ نمائی حاصل کی جاتی ہے اصطلاحی طور پر مفتی کہلاتے ہیں۔

مفتی کے لئے کیا شرائط ہیں، کون سی کتب فتویٰ کے لئے معتبر اور کون سی غیر معتبر ہیں۔ مجتہد مفتی اور ناقل مفتی کی پہچان اور فتویٰ کے اعتبار سے ان کی ذمہ داریوں میں فرق اور اس طرح کی دیگر ضروری باتوں کا تحفہ معروف فقیہ علامہ سید محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز المعروف ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے ''شرح عقود رسم المفتی'' کے ذریعے امت مسلمہ کو عنایت کیا جسے تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان نے درجہ تخصص فی الفقہ کے نصاب میں شامل کیا اور اب امتحانی نقطہ نظر سے طلباء کی آسانی کے لئے اسے سوال و جواب کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

اس کے علاوہ فقیہ بے بدل حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ مبارکہ اَجْلَى الْاِعْلَامِ اَنَّ الْفَتْوٰى مُطْلَقًا عَلٰى قَوْلِ الْاِمَامِ کی تلخیص بھی اس کے ساتھ شامل کی جا رہی ہے۔ طلباء کے لیے ضروری ہے کہ اصل کتب پڑھیں اور امتحانی ضرورت کے تحت اس

کتاب سے استفادہ کریں۔

اللہ تعالیٰ مکتبہ اعلیٰ حضرت کے پروپرائٹر علامہ مولانا محمد اجمل قادری عطاری کو جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت کے ذریعے اس کار خیر میں تعاون فرمایا۔

محمد صدیق ہزاروی سعیدی الازہری
جامعہ ہجویریہ دربار عالیہ حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ لاہور
22 جنوری 2018ء بمطابق ربیع الآخر ۱۴۳۹ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

سوال:۔ مرجوح قول پر عمل اور فتویٰ جائز نہیں اس کی وضاحت کیجئے؟

جواب:۔ اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص ذاتی عمل کا ارادہ کرے یا دوسرے کو فتویٰ دے تو وہ اس قول کو تلاش کرے جسے اس کے مذہب کے علماء نے ترجیح دی ہو لہٰذا مرجوح قول پر عمل کرنا یا فتویٰ دینا جائز نہیں۔

علماء کرام فرماتے ہیں کہ مجتہد اور مقلد دونوں کے لئے راجح قول کے بغیر فیصلہ کرنا اور فتویٰ دینا جائز نہیں کیونکہ یہ خواہش کی اتباع ہے اور یہ بالاجماع حرام ہے اور راجح کے مقابلے میں مرجوح معدوم کی طرح ہے اور باہم مقابل اقوال میں مرجح کے بغیر ترجیح حرام ہے۔

سوال:۔ یہ اس وقت ہے جب مجتہد کے نزدیک ادلہ میں تعارض نہ ہو اور وہ کسی ایک کو ترجیح دینے سے قاصر نہ ہو ورنہ وہ اپنے اجتہاد پر عمل کرے اور ایسی صورت میں مقلد مفتی دو میں سے کسی ایک قول پر عمل کرے اگر دو قولوں یا دو روایتوں میں سے مشہور قول پر اطلاع نہ ہو سکے تو کیا کیا جائے؟

جواب:۔ الیعمری رحمۃ اللہ علیہ کی ''کتاب الاصول'' میں ہے کہ جو شخص دو روایتوں یا دو قولوں میں سے مشہور قول یا روایت پر مطلع نہ ہو سکے تو وہ خواہش پر عمل کرنے والا نہیں ہوگا وہ ترجیح پر نظر کئے بغیر جس قول پر چاہے عمل کرے۔

لیکن امام ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے ''آداب المفتی'' میں اس طرح کے عمل کو جہالت اور اجماع کے خلاف قرار دیا ہے۔

سوال:۔ طبقات فقہاء کتنے اور کون کون سے ہیں وضاحت کیجئے؟

جواب:۔ طبقات فقہاء سات ہیں:

(۱) مجتہدین فی الشرع

(۲) مجتہدین فی المذھب

(۳) مجتہدین فی المسائل

(۴) اصحاب التخریج من المقلدین

(۵) اصحاب الترجیح من المقلدین

(۶) مقلدین جواقویٰ قوی اور ضعیف میں فرق کرسکیں

(۷) مقلدین جو اس امتیاز پر قادر نہ ہوں

سوال:-ان سات طبقات کا تعارف کیا ہے؟

جواب:- پہلا طبقہ...... یہ حضرات قواعد اصول کی تشکیل کرتے ہیں اور ادلۂ اربعہ سے احکام فروع کا استنباط کرتے ہیں اور اصول وفروع میں کسی کی تقلید نہیں کرتے یہ ائمہ اربعہ اور قواعد کی تاسیس میں ان کے متبعین حضرات ہیں۔

دوسرا طبقہ...... یہ حضرات اپنے امام کے وضع کردہ اصول وقواعد کی روشنی میں ادلہ اربعہ سے احکام نکالتے ہیں اور قواعد الاصول میں اپنے امام کی تقلید کرتے ہیں جیسے امام ابو یوسف، امام محمد اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے دیگر شاگرد یہ بعض احکام فروع میں اپنے امام کی مخالفت کرتے ہیں۔

تیسرا طبقہ...... یہ ان مسائل میں اجتہاد کرتے ہیں جن میں اصحاب مذھب سے کوئی روایت نہ ہو جیسے امام ابوجعفر طحاوی، ابوالحسن کرخی، شمس الائمہ حلوانی، شمس الائمہ سرخسی، فخر الاسلام بزدوی اور فخر الدین قاضی خان[1] رحمھم اللہ وغیرہ یہ اصول وفروع میں امام کی مخالفت نہیں کرتے البتہ جن مسائل میں نص موجود نہ ہو ان میں اپنے امام کے اصول کے مطابق استنباط کرتے ہیں۔

ا۔ آپ کا فتاویٰ قاضی خاں مکمل 5 جلد مترجم شیخ الحدیث مفتی محمد صدیق ہزاروی مدظلہ العالی کے قلم سے بہت جلد مکتبہ اعلیٰ حضرت لاہور سے شائع ہونے والا ہے۔(ادارہ)

چوتھا طبقہ...... یہ مقلدین ہیں اجتہاد کی صلاحیت بالکل نہیں رکھتے لیکن ان کو اصول پر عبور ہوتا ہے صاحب مذہب سے منقول ایسے مجمل قول جس میں ذو وجہ کا احتمال ہو یا ایسا حکم جس میں دو باتوں کا احتمال ہو تو اس کی تفصیل پر قادر ہوتے ہیں جیسے صاحب ہدایہ بعض جگہ فرماتے ہیں۔

"کذافی تخریج الکرخی و تخریج الرازی
جیسے امام ابوبکر جصاص یعنی احمد بن علی بن ابوبکر الرازی اور ان جیسے حضرات رحمھم اللہ"

پانچواں طبقہ...... یہ بھی مقلدین ہیں بعض روایات کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں اور یوں کہتے ہیں ہذا اصح روایۃ ،ہذا اوضح ،ہذا اوفق للقیاس ہذا ارفق للناس ان میں امام قدوری، اور صاحب ہدایہ اور ان جیسے حضرات شامل ہیں۔

چھٹا طبقہ...... یہ بھی مقلدین ہیں لیکن یہ اقوی ،قوی اور ضعیف میں تمیز کر سکتے ہیں اسی طرح ظاہر الروایۃ ،ظاہر المذہب اور روایت نادرہ میں بھی امتیاز قائم کر سکتے ہیں۔ جیسے متون معتبرہ کے مصنفین مثلاً صاحب کنز ،صاحب مختار ،صاحب الوقایہ وغیرہ۔ یہ حضرات اپنی کتب میں اقوال مردودہ اور روایات ضعیفہ کو نہیں لاتے۔

ساتواں طبقہ...... یہ محض مقلدین کا گروہ ہے یہ مذکورہ بالا امور میں سے کسی پر قادر نہیں ہوتے یہ دائیں بائیں میں تمیز نہیں کر سکتے اور رات کو لکڑیاں جمع کرنے والے کی طرح جو مل جائے جمع کرتے ہیں۔

سوال:۔ جن کتب سے فتویٰ دینا جائز نہیں وہ کون کونسی ہیں اور فتویٰ کے عدم جواز کی وجہ کیا ہے؟

جواب:۔ جن کتب سے فتویٰ دینا جائز نہیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱) قہستانی کی شرح نقایہ

(۲) درمختار

(۳) الاشباہ والنظائر

(۴) ملامسکین شرح کنز

ان کتب سے فتویٰ دینا جائز نہ ہونے کی وجوہ یہ ہیں:

(۱) یہ کتب نہایت مختصر ہیں۔

(۲) اکثر مقامات میں نقل کرتے ہوئے کچھ باتیں ساقط ہو گئیں۔

(۳) ان میں راجح کے خلاف کو ترجیح دی گئی بلکہ مذہب غیر کو ترجیح دی گئی جس کا اہل مذہب میں سے کوئی بھی قائل نہیں۔

علامہ محمد ھبۃ اللہ نے شرح اشباہ کے شروع میں ''ملامسکین'' اور قہستانی کی کتب کو کتب غریبہ سے قرار دیا اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ ان کے مؤلفین کے حال سے آگاہی نہیں یا ان لوگوں نے ضعیف اقوال نقل کیے جس طرح صاحب قنیہ' یا اختصار کیا جیسے حصکفی کی درمختار اور کنز کی شرح ''النھر'' اور ''عینی''۔

سوال:۔ کیا ان کتب سے فتویٰ کی بھی کوئی صورت ہے؟

جواب:۔صالح الجمنینی جو فقہ میں مشہور امام ہیں وہ فرماتے ہیں ان کتب سے فتویٰ دینا جائز نہیں مگر جب منقول عنہ کا علم ہو اور ان کے ماخذ پر اطلاع ہو تو فتویٰ دینا جائز ہے۔

سوال:۔علامہ شامی رحمہ اللہ نے فرمایا ماخذ اصلی کی طرف رجوع لازم ہے یہ بات انہوں نے کس پس منظر میں فرمائی ہے؟

جواب:۔انہوں نے فرمایا کہ جب کسی مسئلہ میں پہلے شخص سے خطا ہو جائے اور بعد والے اسے اسی طرح نقل کرتے چلے جائیں تو یہ خطاء ہے اور متاخرین کی تقریباً بیس کتب میں یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے

انہوں نے اس سلسلے میں چند درج ذیل مسائل کا ذکر کیا ہے

(۱) "مایصح تعلیقه ومالا یصح" کے بعض مسائل، علامہ ابن نجیم نے البحر الرائق میں اس پر متنبہ کیا ہے۔

(۲) محض تلاوت قرآن پر اجرت لینا

(۳) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ کی توبہ قبول نہ کرنا

(۴) ہلاکت کے دعویٰ کے ساتھ رھن کی ضمان

سوال:۔ مسئلہ استیجار کے بارے میں تفصیلاً ذکر کریں؟

جواب:۔ سراج الوہاج اور جوھرہ شرح قدوری میں محض تلاوت قرآن پر اجرت لینے کو مفتیٰ بہ قول قرار دیا گیا۔

اور یہ معاملہ اُلٹ ہوگیا کیونکہ مفتیٰ بہ قول تعلیم قرآن کی اجرت کے صحیح ہونے کے بارے میں ہے۔ پھر بعض مصنفین اسی غلطی کو نقل کرتے رہے بلکہ ان میں سے اکثر نے تو یہاں تک کہا کہ عبادات پر اُجرت لینا بھی جائز ہے اور وہ اسے متاخرین کا مذہب قرار دیتے ہیں۔

اسی طرح حج کے اجارہ کو بھی جائز قرار دیتے ہیں اور اس کی بنیاد وہ پہلی خطاء ہے۔ بلکہ یہ اس سے بھی زیادہ صریح خطاء ہے ہمارے ائمہ ثلاثہ سے بالاتفاق یہ بات منقول ہے کہ عبادت پر اجرت لینا باطل ہے۔

لیکن بعد کے اہل تخریج وترجیح نے ضرورت کے تحت تعلیم القرآن پر اجرت لینے کو صحیح قرار دیا ہے کیونکہ گذشتہ ادوار میں معلمین کو بیت المال سے عطیات دیئے جاتے تھے اور یہ سلسلہ ختم ہوگیا اب اگر تعلیم القرآن پر اجرت جائز نہ ہو تو قرآن پاک ضائع ہو جائے گا اور اس سے دین ضائع ہوگا کیونکہ معلمین کو کسب حلال کی احتیاج ہوتی ہے اور وہ تعلیم القرآن کے لئے فرصت نہیں پائیں گے۔ اسی طرح بعد میں اذان اور امامت پر استیجار کو بھی جائز قرار دیا گیا کیونکہ یہ شعائر دین میں سے ہیں۔

متاخرین نے یہ فتویٰ حضرت امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہما اللہ کی طرف سے دیا کیونکہ وہ

جانتے تھے کہ اگر یہ ائمہ کرام ان کے زمانے میں ہوتے تو یہی فتویٰ دیتے۔ اس کے علاوہ عبادت پر اجرت لینا باطل ہے اور ثواب کا ضیاع بھی ہے۔

سوال:۔ گستاخ رسول کی توبہ کی عدم قبولیت کے بارے میں علامہ شامی رحمہ اللہ نے کیا فرمایا؟

جواب:۔ آپ فرماتے ہیں کہ فتاویٰ بزازیہ میں نقل کیا گیا ہے کہ ہمارے نزدیک گستاخ رسول کو قتل کرنا واجب ہے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اگرچہ وہ اسلام قبول کرے وہ اس کی نسبت قاضی عیاض رحمہ اللہ کی شفاء شریف اور ابن تیمیہ کی ''الصارم المسلول'' کی طرف کرتے ہیں۔ قاضی عیاض مالکی ہیں اور ابن تیمیہ کا تعلق فقہ حنبلی سے ہے۔ فتاویٰ بزازیہ کے مطابق ابن ہمام اور الدرر والغرر کے مصنف نے بھی اسی طرح نقل کیا۔ حالانکہ ہمارے نزدیک اس کی توبہ قبول ہونے پر جزم کیا گیا ہے۔

عدم قبولیت شافعی، حنبلی اور مالکی فقہ (امام مالک کی دو میں سے ایک روایت) کے مطابق ہے۔

امام ابو یوسف کی کتاب ''الخراج'' اور ''شرح مختصر امام طحاوی'' وغیرہ کتب مذہب میں قبولیت توبہ کا ذکر ہے۔

سوال:۔ضمان الرھن بدعوی الھلاک کی وضاحت کیجئے؟

جواب:۔ علامہ شامی نے ایک اور مثال ذکر کی ہے کہ جب مرتہن کے پاس مرہون چیز ہلاک ہو جائے تو اس کی ضمان لازم ہوگی۔ اس سلسلے میں الدرر اور شرح المجمع میں ہے کہ اگر وہ کسی دلیل کے بغیر مرہون چیز کی ہلاکت کا دعویٰ کرے تو اس پر ضمان ہوگی۔ ''التنویر'' کے متن میں بھی ان دونوں کی اتباع کی گئی کہ وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اس کی قیمت جس قدر بھی ہو علامہ شیخ خیر الدین رحمہ اللہ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے اور اگر ثبوت پیش کرے تو ضمان نہیں ہوگی۔ حالانکہ یہ (مذکورہ بالا) حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب ہے ہمارے مذہب کے مطابق قیمت اور قرض

میں سے جو کم ہو وہ ضمان ہوگی اور اس سلسلے میں کوئی فرق نہیں ہوگا کہ وہ ہلاکت پر ثبوت پیش کرے یا نہ کرے۔

جس طرح ''الحقائق'' سے نقل کرتے ہوئے شرنبلالیہ میں واضح طور پر بیان کیا گیا اور درمختار کے حاشیہ ردالمحتار میں بھی اس سے متنبہ کیا گیا اس طرح کی کئی مثالیں ہیں اور یہ سہو نقل میں خطاء کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

سوال:۔ کیا ایسا شخص فتویٰ دے سکتا ہے جو کتب کا مطالعہ کرتا ہے لیکن اس کا کوئی استاذ (شیخ) نہیں؟

جواب:۔علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ سے اس طرح کا سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا ایسے شخص کے لئے فتویٰ دینا جائز نہیں وہ اس کی وجہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ وہ عوام الناس میں سے ہے اور بے علم ہے وہ نہیں جانتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ بلکہ وہ شخص جو معتبر مشائخ سے علم حاصل کرتا ہے اس کے لئے بھی جائز نہیں کہ کسی ایک یا دو کتابوں سے فتویٰ دے بلکہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ دس کتابوں سے بھی فتویٰ نہیں دے سکتا کیونکہ دس بیس حضرات بعض اوقات مذہب سے متعلق ضعیف قول پر اعتماد کر لیتے ہیں لہذا اس سلسلے میں ان کی تقلید جائز نہیں لیکن جو شخص فقہ میں ماہر ہو اور اہل لوگوں سے علم حاصل کرے اور اس میں ذاتی ملکہ پیدا ہو جائے تو وہ صحیح اور غیر صحیح میں امتیاز کر سکتا ہے اور متعلقہ مسائل کو معتبر طریقے پر جانتا ہے تو یہ شخص لوگوں کو فتویٰ دے سکتا ہے اور یوں وہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے درمیان واسطہ بن سکتا ہے لیکن اس کے علاوہ کوئی شخص اس منصب شریف پر فائز ہونے کی کوشش کرے تو اسے سختی سے روکا جائے اور جھڑکا جائے کیونکہ اس کے اس عمل سے بے شمار مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔

سوال:۔ ظاہر الروایت سے کیا مراد ہے اور اس کے مطابق فتویٰ دینا کیوں ضروری ہے؟

جواب:۔ جو مسائل ان کتب میں ہیں جو حضرت امام محمد بن حسن رحمہ اللہ سے ظاہر

الروایت کے ساتھ مروی ہیں اگر چہ صراحتاً ان کی تصحیح نہ کی گئی ہو تو ان کے مطابق فتویٰ دیا جائے۔

سوال:- کیا ظاھر الروایت کے غیر سے بھی فتویٰ دیا جاسکتا ہے؟

جواب:- جی ہاں جب ظاھر الروایۃ کتب کے غیر سے کسی روایت کو صحیح قرار دیا جائے تو اس کی اتباع کی جائے۔ علامہ طرطوسی رحمہ اللہ نے ''انفع الوسائل'' میں مسالۃ الکفالۃ الی شھر کے ضمن میں فرمایا کہ قاضی مقلد کے لئے جائز نہیں کہ وہ ظاھر الروایۃ کے علاوہ سے فیصلہ کرے اور روایت شاذہ سے بھی فیصلہ نہ کرے البتہ جب فقہاء کی طرف سے نص (واضح قول) ہو کہ اس قول (ظاھر الروایۃ کے غیر) پر فتویٰ ہے تو اس کے مطابق فیصلہ دے سکتا ہے (ظاھر الروایت کتب کا ذکر آگے آرہا ہے)۔

سوال:- احناف کے نزدیک مسائل کتنے اور کون سے طبقات میں منقسم ہیں؟

جواب:- ہمارے یعنی احناف کے نزدیک مسائل تین طبقات میں تقسیم ہیں

(۱) مسائل اصول: ان کو ظاھر الروایت بھی کہا جاتا ہے یہ مسائل وہ ہیں جو اصحاب مذھب سے روایت کئے گئے ہیں۔ جیسے امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمھم اللہ ان کو علماء ثلاثہ کہا جاتا ہے۔ بعض اوقات حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے دیگر شاگردوں حضرت امام زفر یا امام حسن اور اس کے علاوہ کو بھی ان کے ساتھ ملایا جاتا ہے۔

سوال:- ظاھر الروایت کے مسائل کن کتب میں پائے جاتے ہیں؟

جواب:- ظاھر الروایت والاصول، حضرت امام محمد رحمہ اللہ کی ان چھ کتب میں پائے جاتے ہیں

(۱) مبسوط (۲) زیادات (۳) جامع صغیر (۴) سیر صغیر (۵) جامع کبیر (۶) سیر کبیر

سوال:- ان کو ظاھر الروایت کہنے کی وجہ کیا ہے؟

جواب:- اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتب حضرت امام محمد رحمہ اللہ نے ثقہ لوگوں سے روایت کی ہیں یا آپ سے مشہور ہیں۔

سوال :- طبقات مسائل میں سے دوسرا طبقہ کیا ہے؟

جواب :- ان کو "مسائل نوادر" کہتے ہیں اور یہ مسائل وہ ہیں جو مذکورہ بالا اصحاب مذھب سے مروی ہیں لیکن مذکورہ بالا کتب میں نہیں ہیں بلکہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ کی دیگر کتب میں ہیں۔ وہ کتب یہ ہیں۔

(۱) کیسانیات (۲) ہارونیات (۳) جرجانیات (۴) رُقیات

سوال :- ان کو غیر ظاھر الروایۃ کہنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب :- اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ سے روایات ظاھرہ، ثابتہ، صحیحہ کے ساتھ ثابت نہیں جس طرح پہلی کتب ثابت ہیں یا یہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے علاوہ ائمہ کی کتب میں ہیں جیسے امام حسن رحمہ اللہ کی "کتاب المجرد" وغیرہ۔ اسی طرح حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی کتب امالی۔

یا یہ مسائل روایات مفردہ کے ساتھ مروی ہیں جیسے ابن سماعہ اور معلّٰی بن منصور وغیرہ رحمہما اللہ کی معین مسائل میں روایات۔

سوال :- امالی کسے کہتے ہیں اس کی وضاحت کیجئے؟

جواب :- یہ املاء کی جمع ہے اس کی صورت یہ ہے کہ ایک عالم بیٹھ جائے اور اس کے گرد اس کے شاگرد قلم دوات لے کر بیٹھیں اور اللہ تعالیٰ اس استاذ کے دل میں جو علم کی بات ڈالے وہ بولتا جائے اور شاگرد ان باتوں کو لکھیں پھر جو کچھ لکھا اسے کتابی شکل میں جمع کریں تو اسے الاملاء اور الامالی کہا جاتا ہے۔ ہمارے اسلاف فقھاء، محدثین اور دیگر عربی علوم والوں نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا لیکن علماء کرام کے اٹھ جانے سے یہ طریقہ ختم ہوگیا۔ شافعی علماء اس طریقہ کو تعلیقہ کہتے ہیں۔

سوال :- طبقات مسائل میں سے تیسرے طبقہ کی وضاحت کیجئے؟

جواب :- ان کو "فتاوٰی و واقعات" کہا جاتا ہے اور یہ وہ مسائل ہیں جن کا استنباط

متاخرین مجتہدین نے کیا جب ان سے یہ مسائل پوچھے گئے اور انہیں اس سلسلے میں متقدمین اہل مذہب سے کوئی روایت نہ ملی۔

سوال:-یہ کون کون لوگ ہیں؟

جواب:-یہ حضرات امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے شاگرد اور ان کے شاگردوں کے شاگرد ہیں اور یہ سلسلہ آگے بھی چلتا ہے یہ کثیر تعداد میں ہیں اور ان کی معرفت ہمارے اصحاب کے طبقات سے متعلق اور کتب تواریخ سے ہوتی ہے۔ حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے شاگردوں میں سے جیسے عصام بن یوسف، ابن رستم، محمد بن سماعہ، ابوسلیمان جوز جانی، ابوحفص بخاری، اور ان کے بعد کے لوگ ہیں بعد والوں میں محمد بن سلمہ، محمد بن مقاتل، نصیر بن یحییٰ، ابوالنصر قاسم بن سلام شامل ہیں۔ بعض اوقات یہ حضرات دلائل اور ان کے اسباب کے ذریعے جو ان کے لئے ظاہر ہوئے اصحاب مذھب کی مخالفت کرتے ہیں۔

سوال:-اس طبقے کی کتب کے متعلق کچھ بتائیے؟

جواب:-جو بات ہم (علامہ شامی) تک پہنچی ہے اس کے مطابق ان کے فتاویٰ سب سے پہلے فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمہ اللہ کی ''کتاب النوازل'' میں جمع ہوئے۔ پھر ان کے بعد مشائخ نے دیگر کتب میں فتاویٰ جمع کئے جیسے امام ناطفی کی مجموع النوازل والواقعات اور صدرالشہید کی الواقعات ہے۔ پھر ان کے بعد متاخرین نے کسی امتیاز کے بغیر ملے جلے مسائل جمع کئے جیسے فتاویٰ قاضی خان اور الخلاصہ ہے اور بعض حضرات نے مسائل امتیاز کے ساتھ ذکر کئے ہیں۔ جیسے رضی الدین سرخسی رحمہ اللہ کی ''کتاب المحیط'' انہوں نے پہلے مسائل الاصول پھر نوادر اور اس کے بعد فتاویٰ ذکر کئے اور نہایت عمدہ طریقہ اختیار کیا۔

سوال:-حضرت امام محمد رحمہ اللہ سے مروی المبسوط کے کتنے اور کون کون سے نسخے ہیں؟

جواب:-یہ نسخے متعدد ہیں جن میں سے مبسوط ابی سلیمان جوز جانی زیادہ ظاہر ہے۔

سوال:۔ مبسوط کی شروح کون کون سی ہیں؟

جواب:۔ متاخرین کی ایک جماعت نے مبسوط کی شروح لکھی ہیں۔
جیسے شیخ الاسلام بکر المعروف خواہرزادہ نے اس کی شرح لکھی جس کو ''مبسوط کبیر'' کا نام دیا گیا نیز شمس الائمہ حلوانی وغیرہ نے لکھیں ان حضرات کی مبسوطات درحقیقت شرح ہیں انہوں نے حضرت امام محمد رحمہ اللہ کی مبسوط کے ساتھ ملا کر لکھی ہیں۔ جس طرح الجامع الصغیر کے شارحین نے کیا ہے مثلاً فخر الاسلام اور قاضی خان وغیرہ، کہا جاتا ہے کہ قاضی خان نے جامع صغیر میں ذکر کیا تو اس سے اس کی شرح مراد ہے۔

سوال:۔ ظاہر الروایۃ اور روایۃ الاصول میں کیا فرق ہے؟

جواب:۔ علامہ ابن کمال پاشا رحمہ اللہ نے روایۃ الاصول اور ظاہر الروایہ میں فرق کیا ہے اس سلسلے میں انہوں نے بطور تمہید عورت کے حج سے متعلق مسئلہ کا ذکر کیا کہ ظاہر الروایت کے مطابق اس کے لئے شرط ہے کہ وہ اپنے محرم کے نفقہ کی مقدار کی مالک ہو۔ یہ بات انہوں نے ہدایہ کی شرح میں مبسوط سرخسی سے نقل کرتے ہوئے فرمائی اور محیط اور ذخیرہ میں ذکر کیا گیا کہ حضرت امام حسن بن زیاد، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب وہ اپنے اور اپنے محرم کے نفقہ پر قادر ہو تو اس عورت پر حج واجب ہوگا۔ حضرت امام محمد رحمہ اللہ سے مروی روایت میں اضطراب ہے۔ اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ یہاں سے ظاہر ہوا کہ امام سرخسی نے ظاہر الروایۃ سے امام حسن کی حضرت امام ابوحنیفہ سے روایت مراد لی ہے تو ظاہر الروایۃ اور روایۃ الاصول میں فرق واضح ہوگیا کیونکہ اصول سے مراد مبسوط، جامع صغیر، جامع کبیر، زیادات اور سیر کبیر اور سیر صغیر ہیں اور ان کتب میں حضرت امام حسن کی روایت نہیں بلکہ یہ تمام حضرت امام محمد کی روایات ہیں۔

سوال:۔ روایۃ النوادر بعض اوقات روایۃ الظاھر ہوتی ہے اس کا کیا مطلب ہے؟

جواب:۔ علامہ ابن کمال پاشا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات روایۃ النوادر،

ظاھر الروایت ہوتی ہے اور روایت النوادر سے مراد اصول مذکورہ کے غیر کی روایت ہے۔ اس طرح دو باتیں ثابت ہوگئیں ایک یہ کہ ظاھر الروایۃ اور روایۃ الاصول میں فرق ہے دوسری بات یہ کہ روایۃ النوادر اس معنی میں ظاھر الروایۃ ہوتی ہے کہ وہ روایت الاصول کا غیر ہوتی ہے۔ لیکن علامہ شامی رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ المحیط اور الذخیرہ کی اس بات سے کہ یہ روایت حضرت امام حسن رحمہ اللہ نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے نقل کی ہے، یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ وہ روایت الاصول کے خلاف ہے۔ کبھی امام حسن رحمہ اللہ کتب نوادر میں روایت کرتے ہیں یا امام محمد رحمہ اللہ کتب الاصول میں ذکر کرتے ہیں یہاں امام حسن رحمہ اللہ کی روایت اس لئے نقل کی ہے کہ حضرت امام محمد کی روایت میں اضطراب ہے اس وقت امام سرخسی کے قول کہ یہ ظاہر الروایت ہے کا معنی یہ ہوگا کہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ نے اسے کتب الاصول میں ذکر کیا پس وہ ان کی روایات میں سے ایک روایت ہے لہٰذا اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ روایت النوادر کبھی ظاھر الروایت ہوتی ہے البتہ جب ظاھر الروایت کتب الاصول میں ذکر کی جائے لہٰذا ان کی یہ بات اسی وقت صحیح ہوتی جب ثابت ہوتا کہ یہ مسئلہ ظاھر الروایت میں بھی مذکور نہیں اور محیط اور ذخیرہ کی عبارت اس پر دلالت نہیں کرتی۔ جس طرح مذکورہ بالا مسئلہ ہے پھر وہ کتب النوادر میں بھی ذکر کی جائے تو اس سے یہ بات لازم نہیں آئے گی کہ کتب الاصول میں وہ مذکور نہیں۔

سوال:۔ سِیَر کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ بیان کیجئے؟

جواب:۔ السِّیَر، سیرت کی جمع ہے۔ لغوی طور پر طریقہ کو کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں یہ مغازی (غزوات) میں رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کو کہتے ہیں (ھدایہ)۔

المغرب (کتاب) میں ہے کہ السیر الکبیر میں صفت مذکر ہے (حالانکہ موصوف السیر مونث ہے) تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مضاف یعنی کتاب کے قائم مقام ہے (یعنی الکتاب الکبیر) لہٰذا سیر الکبیر، جامع الصغیر، جامع الکبیر وغیرہ غلط ہیں السیر الکبیر، الجامع الصغیر اور الجامع الکبیر صحیح

ہے اس میں سین مکسور اور یاء مفتوح ہے اور یہ جمع ہے سین کے فتح اور یاء کے سکون کے ساتھ نہیں وہ مفرد لفظ ہے اور بعض حضرات جن کو پہچان نہیں وہ اسی طرح پڑھتے ہیں۔

سوال:۔ کتب الاصول کون سی کتب ہیں اور مبسوط کو اصل کہنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب:۔ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ ظاھر الروایت کی کتب کو کتب الاصول کہا جاتا ہے جیسے الھدایہ کے باب التیمم میں ہے "عن ابی حنیفه وابی یوسف فی غیر روایة الاصول" شارحین فرماتے ہیں:

روایۃ الاصول سے روایۃ الجامعین (یعنی الجامع الصغیر اور الجامع الکبیر) زیادات اور مبسوط کی روایت مراد ہے اور روایت غیر الاصول سے روایۃ النوادر (یعنی، الامالی، رقیات، کیسانیات اور ہارونیات کی روایات مراد ہیں۔

عام طور پر فقہاء فرماتے ہیں ذکرہ محمد فی الاصل تو شارحین نے اس سے مبسوط مراد لی ہے۔ معلوم ہوا کہ لفظ اصل مفرد بولا جائے تو اس سے مبسوط مراد ہوتی ہے جو دوسری کتب کے مقابلے میں زیادہ مشہور ہے۔ البحر میں کہا گیا کہ اسے اصل کہنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ نے سب سے پہلے اسے تصنیف کیا۔

سوال:۔ حضرت امام محمد رحمہ اللہ نے الجامع الصغیر تالیف فرمائی تو اس کا سبب کیا تھا نیز اس کتاب کی اہمیت کیا ہے؟

جواب:۔ یہ مبارک کتاب ایک ہزار پانچ سو بتیس مسائل پر مشتمل ہے اور یہ کتاب حضرت امام محمد رحمہ اللہ نے حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی فرمائش پر تالیف فرمائی انہوں نے فرمایا کہ آپ نے جو روایات میرے واسطہ سے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہیں ان کو ایک کتاب میں جمع کر دیں۔ جب یہ کتاب تیار ہوئی اور حضرت امام محمد رحمہ اللہ نے حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کی تو انہوں نے اسے پسند فرمایا۔ امام بزدوی رحمہ اللہ بعض حضرات سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ اپنی جلالت علمی کے باوجود

اس کتاب کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے چاہے وہ سفر ہو یا حضر۔ حضرت علی الرازی رحمہ اللہ فرماتے تھے جو شخص اس کتاب کو سمجھ لے وہ ہم میں سے سب سے زیادہ سمجھدار ہے اور جب بھی کسی کو قاضی بنانا ہوتا تو اس کتاب کے ذریعے اس کا امتحان لیا جاتا تھا۔

سوال:۔الصغیر اور الکبیر میں فرق کیا ہے؟

جواب:۔بحرالرائق کی بحث التشھد میں فرمایا کہ حضرت امام محمد بن حسن رحمہ اللہ کی وہ تمام تصانیف جو الصغیر کے ساتھ موصوف ہیں ان پر حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ کا اتفاق ہے لیکن جو الکبیر کی صفت سے موصوف ہیں وہ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے سامنے پیش نہیں کی گئیں کیونکہ یہ کتب حضرت امام محمد رحمہ اللہ کی تصانیف میں سے ہیں جیسے المضاربۃ الکبیر المزارعۃ الکبیر ،الماذون الکبیر الجامع الکبیر اور السیر الکبیر۔

محقق ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت امام محمد رحمہ اللہ نے جن اقوال میں اختلاف ذکر نہیں کیا وہ ان تمام ائمہ (احناف) کے اقوال ہیں۔

سوال:۔السیر الکبیر کی وجہ تالیف پر روشنی ڈالیں؟

جواب:۔السیر الکبیر حضرت امام محمد رحمہ اللہ کی آخری تصنیف ہے حضرت امام شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ نے اس کی شرح کے شروع میں یہ بات فرمائی اور پھر فرمایا کہ آپ کی السیر الصغیر،شام کے عالم عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعی رحمہ اللہ کے پاس پہنچی تو انہوں نے کہا اس باب میں تصنیف سے اہل عراق کا کیا تعلق ہے انہیں سیَر کا کیا علم ،رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کا جہاد ،شام اور حجاز کی طرف ہوا ہے عراق کی طرف نہیں ہوا۔ فتح کے سلسلے میں یہ ایک بدعت ہے۔

حضرت امام محمد رحمہ اللہ تک یہ بات پہنچی تو وہ غضبناک ہوئے اور انہوں نے اس کتاب (السیر الکبیر) کے لئے فراغت حاصل کی۔ کہا گیا ہے کہ حضرت امام اوزاعی رحمہ اللہ نے اس کتاب کو دیکھا تو کہا اگر اس میں احادیث نہ ہوتیں تو میں کہتا یہ شخص اپنی طرف سے علم ایجاد کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے اجتہاد میں صحیح جواب کا رخ متعین کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے سچ

فرمایاوَفَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ O کہ ہر علم والے سے اوپر علم والا ہے (سورۃ یوسف آیت ۷۶)۔

پھر حضرت امام محمد رحمہ اللہ نے حکم دیا کہ اس کی ساٹھ جلدیں بنا کر گاڑی پر رکھی جائیں اور خلیفہ کے دربار میں پہنچادی جائیں خلیفہ نے اسے بہت پسند کیا اور اسے زمانے کی قابل فخر کتاب قرار دیا۔

سوال:۔اختلاف کی صورت میں راجح کو ترجیح دینے کی وجہ کیا ہے؟

جواب:۔اگر ان کتب میں کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو مجتہد کے لئے مختار اور افضل یہ ہے کہ وہ دلائل میں غور کر کے دیکھے کہ اس کے نزدیک راجح قول کیا ہے۔اور مقلد حضرت امام محمد رحمہ اللہ کی آخری کتاب السیر الکبیر کو اختیار کرے مگر جب متاخرین مشائخ نے اس کے خلاف قول اختیار کیا ہو تو اس پر عمل واجب ہے اگر چہ امام زفر رحمہ اللہ کا قول ہو۔

سوال:۔ کیا کسی ایک کتاب میں حضرت امام محمد رحمہ اللہ کی کتب کو جمع کیا گیا ہے اگر ہے تو اس کی وضاحت کریں۔

جواب:۔فتح القدیر وغیرہ کتب میں بتایا گیا ہے کہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ کی چھ کتب ظاھر الروایت کو امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الکافی میں جمع کیا ہے

سوال:۔ کتاب الکافی اور اس کی شرح کی اہمیت کے بارے میں وضاحت کیجئے؟

جواب:۔الاشباہ کے شارح علامہ ابراہیم البیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کتب مسائل الاصول میں سے ایک کتاب امام حاکم شھید کی کتاب الکافی ہے اور نقل مذھب میں اس پر اعتماد کیا جاتا ہے مشائخ کی ایک جماعت نے اس کی شروح لکھی ہیں جن میں امام سرخسی رحمہ اللہ کی شرح المبسوط کے نام سے مشہور ہے۔اس شرح کی فضیلت کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہوتا ہے کہ شیخ اسماعیل نابلسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں علامہ طرسوسی رحمہ اللہ نے کہا کہ مبسوط سرخسی وہ کتاب ہے کہ اس کے مخالف قول پر عمل نہ کیا جائے اور صرف اسی کی طرف میلان ہونا چاہئے اسی پر اعتماد ہو اور

اسی سے فتویٰ دیا جائے۔علامہ شیخ ھبۃ اللہ البعلی رحمہ اللہ الاشباہ پر لکھی گئی اپنی شرح میں فرماتے ہیں کہ مبسوط امام کبیر محمد بن محمد بن ابی سھل سرخسی رحمہ اللہ کی کتاب ہے۔آپ علم کلام،فقہ اور اصول میں بڑے بڑے نامور علماء میں سے ایک تھے۔

سوال:۔فقہ حنفی سے متعلق دیگر مبسوطات کا کچھ تعارف پیش کریں؟

جواب:۔ مبسوط حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ،مبسوط حضرت امام محمد رحمہ اللہ (آپ کی مبسوط کو اصل کہا جاتا ہے) مبسوط جرجانی،مبسوط خواھرزادہ،مبسوط شمس الائمہ حلوانی،مبسوط ابو الیسر بزدوی،مبسوط علی بزدوی (علی بزدوی،ابوالیسر بزدوی کے بھائی ہیں)،مبسوط سید ناصر الدین سمرقندی اور مبسوط ابواللیث نصر بن محمد رحمہم اللہ۔

سوال:۔جب مطلق مبسوط کا ذکر ہو تو کون سی مبسوط مراد ہوتی ہے؟

جواب:۔اگر مصنف کے نام کے بغیر مبسوط کا ذکر ہو تو الکافی کی شرح یعنی مبسوط سرخسی مراد ہوتی ہے۔الکافی کے مصنف محمد ابن احمد بن عبداللہ حاکم شہید رحمہ اللہ ہیں جو امام حاکم شہید کے نام سے مشہور ہیں آپ بڑے عالم تھے۔آپ بخارا کے قاضی رہے پھر امیر الحمید نے خراساں کی وزارت آپ کے سپرد کی آپ نے متعدد محدثین سے احادیث کی سماعت کی اور حضرت امام محمد رحمہ اللہ کی کتب کو اپنی مختصر کتاب (الکافی) میں جمع کیا۔امام ذھبی رحمہ اللہ نے آپ کا ذکر تعریفی کلمات کے ساتھ کیا،۳۳۴ھ میں آپ کو حالت سجدہ میں شہید کیا گیا۔

سوال:۔اگر کسی مسئلہ میں ایک مجتھد کے دو قول ہوں تو کیا ان دونوں پر عمل کیا جائے یا کیا صورت اختیار کی جائے؟

جواب:۔ کتب اصول میں عام علماء کرام سے یہ بات منقول ہے کہ کسی مسئلہ میں ایک مجتھد کے دو قول اختیار کرنا صحیح نہیں کیونکہ ان میں تناقض ہوتا ہے اگر ان میں سے دوسرے قول کی معرفت حاصل ہو تو اس کی طرف رجوع کرنا متعین ہوگا ورنہ مجتھد پر واجب ہے کہ وہ اپنے دل کی شہادت سے کسی ایک کو ترجیح دے بعض کتب میں یہ ہے کہ اگر تاریخ کا علم نہ ہو لیکن اس کی طرف

سے کسی ایک قول کی تقویت میں کچھ منقول ہوتو اس کے نزدیک وہی صحیح ہوگا۔ورنہ اگر کوئی اس کا متبع ہو جو اجتہاد فی المذہب کے درجہ کو پہنچ چکا ہو اور وہ گذشتہ وجوہ ترجیح میں سے کوئی وجہ پائے اور کسی ایک قول کو ترجیح دے تو ٹھیک ورنہ ان دونوں قولوں میں سے جس پر چاہے عمل کرے بشرطیکہ اس کا دل اس کی طرف مائل ہو اور اگر وہ عام آدمی ہو تو زیادہ متقی اور زیادہ علم والے مفتی کے قول پر عمل کرے اور اگر وہ فقہ حاصل کر رہا ہے تو متاخرین کی اتباع کرے جس طرح محقق ابن الھمام رحمہ اللہ نے التحریر میں ذکر کیا ہے۔

سوال:۔اختلاف قول اور اختلاف روایت میں فرق ہے یا نہیں؟

جواب:۔دو روایتوں میں اختلاف دو قولوں میں اختلاف کے باب سے نہیں کیونکہ دو قولوں پر مجتہد کی نص ہوتی ہے بخلاف دو روایتوں کے،پس دو قولوں میں اختلاف منقول عنہ کی طرف سے ہوتا ہے ناقل کی طرف سے نہیں جبکہ دو روایتوں میں اختلاف اس کے برعکس ہوتا ہے محقق ابن امیر حاج رحمہ اللہ نے شرح التحریر میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔

سوال:۔حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے منقول روایت میں اختلاف کی وجوہ بیان کریں؟

جواب:۔اس اختلاف کی چند وجوہ ہیں

(۱) سننے میں غلطی ہو مثلاً جب کسی نو پید واقعہ کے بارے میں سوال کیا گیا گویا اس کا جواب نفی میں دیتے ہوئے فرمایا لا یجوز تو راوی پر یہ مشتبہ ہوگیا اور اس نے جو سنا نقل کر دیا (مثلاً اثبات میں نقل کیا)۔

(۲) امام صاحب رحمہ اللہ نے ایک قول سے رجوع کیا اور آپ کے پاس آنے جانے والے بعض حضرات نے وہ رجوع نقل کیا اور دوسرا قول نقل کیا لیکن کسی دوسرے شخص کو رجوع کا علم نہ ہوا اس لئے اس نے پہلا قول نقل کیا۔

(۳) امام صاحب رحمہ اللہ نے ایک قول قیاس کے مطابق فرمایا اور دوسرا استحسان کے

طور پر کہا اور دو راویوں میں سے ہر ایک نے ایک قول سنا اور جو سنا وہ نقل کر دیا۔

(۴) کسی مسئلہ میں جواب کے دو طریقے تھے ایک حکم کے مطابق اور دوسرا احتیاط کے طور پر، تو جس نے جو سنا وہ نقل کر دیا۔

نوٹ: وجوہ اختلاف میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ مجتہد کو کسی حکم میں اس لئے تردد ہوتا ہے کہ دلائل میں تعارض ہوتا ہے اور کسی ایک کو ترجیح حاصل نہیں ہوتی۔

یا کسی ایک دلیل کے مدلول میں رائے مختلف ہوتی ہے کیونکہ بعض اوقات دلیل میں دو یا زیادہ وجوہ کا احتمال ہوتا ہے اور ہر احتمال جواب کی بنیاد بنتا ہے۔

سوال:- کبھی کہا جاتا ہے **قال ابو حنیفة کذا** اور کبھی کہا جاتا ہے **وفی روایة عنه کذا** اس کی وجہ کیا ہے نیز **وعنه روایتان** کب کہا جاتا ہے؟

جواب:- جب دلیل میں کئی وجوہ کا احتمال ہو پھر کسی ایک کو ترجیح دی جائے تو وہ آپ کی طرف منسوب ہوتا ہے جیسے مندرجہ بالا جملوں میں ہے اور بعض اوقات آپ کے نزدیک ان میں سے کسی ایک کو ترجیح نہیں ہوتی اور ان دونوں میں رائے برابر، برابر ہوتی ہے تو ایسی صورت میں کہا جاتا ہے **وفی المسألة عنه روایتان او قولان**

سوال:- مجتہد کی طرف دو قولوں کی نسبت کب کی جاتی ہے؟

جواب:- کسی مجتہد یا مقلد کے لئے راجح قول کے بغیر افتاء اور حکم جائز نہیں۔ البتہ جب مجتہد کے نزدیک دلائل میں تعارض ہو اور وہ ترجیح دینے سے عاجز ہو تو وہ جس کے ساتھ چاہے حکم دے کیونکہ اس کے نزدیک دونوں برابر ہیں۔ اس بنیاد پر اس کی طرف دونوں قولوں کی نسبت درست ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ دو طبقوں کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بعض اصولیوں کا یہ کہنا درست نہیں کہ اس کی طرف ان دونوں میں سے کسی ایک کی نسبت بھی نہیں کی جائے گی اور بعض حضرات کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ ان میں سے ایک قول کی اس کی طرف نسبت کی جائے گی کیونکہ دوسرے قول سے اس کا رجوع غیر معین ہے اس لئے اس کی رائے میں دونوں کو

برابر فرض کیا گیا اور کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہے۔

سوال:۔ اگر مجتہد کے نزدیک دو قولوں میں سے ایک راجح ہو تو نسبت کی صورت کیا ہوگی؟

جواب:۔ اگر اس کے نزدیک ایک قول راجح ہو تو دوسرے قول کی دو صورتیں ہوں گی (۱) دوسرے قول سے اعراض نہیں کیا (۲) دوسرے قول کو مکمل طور پر چھوڑ دیا اور وہ اس کا قول نہیں رہا۔

پہلی صورت میں راجح قول اس کی طرف منسوب ہوگا اور دوسرا قول اس سے روایت کے طور پر ذکر کیا جائے گا اور دوسری صورت میں صرف راجح قول اس کا قول قرار پائے گا۔ لیکن رجوع کے بعد بھی مسئلہ میں اختلاف باقی رہے گا جس طرح بعض شافعی حضرات نے فرمایا اور بعض حضرات نے ان کی تصدیق کی اگر ایک زمانے کے لوگ اختلاف کے بعد کسی ایک قول پر متفق ہو جائیں تو اصولیوں نے اختلاف کے ختم ہونے کے بارے میں دو قول ذکر کئے ہیں تو جس پر اجماع نہ ہو وہ بدرجہ اَولٰی مختلف فیہ ہے گا۔

سوال:۔ کیا ایک مجتہد کے دو قول ممکن ہیں؟

جواب:۔ جو کچھ کتب اصول میں ذکر کیا گیا ہے کہ ہمارے نزدیک ایک مجتہد کے لئے دو قول ممکن نہیں یہ اس گذشتہ تقریر کے منافی ہے کیونکہ یہ بظاہر اس بات پر مبنی ہے جو انہوں نے تعارض ادلّہ کے بارے میں نقل کی ہے کہ جب دو آیتوں کے درمیان (بظاہر) تعارض ہو تو حدیث کی طرف رجوع کیا جائے گا اگر احادیث میں تعارض ہو تو اقوال صحابہ کی طرف اور اگر اقوال صحابہ میں تعارض ہو تو قیاس کی طرف رجوع ہوگا۔ اور اگر دو قیاسوں میں تعارض ہو اور کسی ایک کو ترجیح نہ ہو تو ان دونوں میں غور و فکر کرے اور قلبی شہادت کی بنیاد پر عمل کرے اور جب ان دونوں میں سے ایک پر عمل کرے تو اب دوسرے پر اس وقت تک عمل نہیں کر سکتا جب تک اس غور و فکر (تحری) سے اوپر کوئی دلیل نہ ملے۔

نوٹ: حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں تحری کے بغیر ان دونوں میں سے کسی ایک قیاس پر عمل کر سکتا ہے اسی لیے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ایک مسئلہ میں دو یا اس سے زیادہ اقوال پائے جاتے ہیں تو اس طرح ایک مسئلہ میں دو یا زیادہ اقوال ہوں گے

سوال:۔ ہمارے اصحاب (احناف) سے ایک مسئلہ میں دو روایتیں کب مروی ہوتی ہیں؟

جواب:۔ جب دو وقتوں میں دو روایتیں منقول ہوں اور ان میں سے ایک صحیح اور دوسری صحیح نہ ہو لیکن موخر روایت کا علم نہ ہو تو اس صورت میں کہا جاتا ہے کہ ہمارے اصحاب سے دو روایتیں منقول ہیں۔ آخری روایت کی پہچان نہ ہونے کی وجہ سے بھی کہا جاتا ہے عنہ عن امامہ روایتان اس مسئلہ میں امام صاحب رحمہ اللہ سے روایتیں ہیں۔

سوال:۔ وفی روایۃ عنہ کذا (امام صاحب سے ایک روایت میں یوں آیا ہے) کب کہا جاتا ہے؟

جواب:۔ یہ اس صورت میں کہا جاتا ہے جب یہ معلوم ہو کہ کہ آپ کا پہلا قول یہ ہے یا یہ روایت کتب اصول کے علاوہ کتب میں منقول ہو، اور یہ زیادہ مناسب ہے۔

سوال:۔ تعارض ادلہ کے سلسلے میں جو چار باتیں بیان کی گئی ہیں یہ مشکل ہے (قابل اعتراض ہے) کیوں؟

جواب:۔ کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ جس مسئلہ میں امام صاحب سے دو روایتیں منقول ہوں تو اس میں کسی ایک پر عمل کرنا جائز نہیں کیونکہ ہمیں اس بات کا علم نہیں کہ ان میں سے کون سی روایت صحیح ہے اور کون سی باطل ہے اور ان میں سے کوئی ایک روایت بھی آپ کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتی جس طرح بعض اصولیوں کا قول ابھی گذر چکا ہے لیکن اس طرح کے بے شمار مسائل ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ فقہاء ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دیتے ہیں اور اسے آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ تو اس کی متعدد وجوہ ہیں جو اس سے پہلے امام ابو بکر البلیغی رحمہ اللہ کے

حوالے سے گزر چکی ہیں انہوں نے الدرر میں ذکر کی ہیں اور انہوں نے ان چار وجوہ کا ذکر کرنے سے پہلے فرمایا: ان الاختلاف فی الروایة عن ابی حنیفه من وجوه حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے منقول اختلاف کی کئی وجوہ ہیں۔

علاوہ ازیں آپ کو دو حکموں میں تردد ہوا اور آپ کی رائے میں دونوں کا احتمال ہے جب کہ آپ کے نزدیک کسی دلیل یا تحری (غور وفکر) وغیرہ سے کسی ایک کو ترجیح حاصل نہیں ہوئی۔

سوال:- کہا جاتا ہے کہ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے اصحاب (شاگردوں) کے اقوال حقیقت میں آپ ہی کے اقوال ہیں اس کی وضاحت کیجئے؟

جواب:- حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نہایت محتاط اور پرہیزگار شخصیت کے مالک تھے اور آپ جانتے تھے کہ اختلاف رحمت کی علامات میں سے ہے اس لئے آپ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا اگر کوئی دلیل تمہارے سامنے آئے تو تم اسے بیان کرو تو ان میں سے ہر ایک آپ سے کوئی روایت لیتا اور اسے ترجیح دیتا تھا۔

حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

میں جو بات بھی کرتا ہوں اور اس میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مخالفت کرتا ہوں تو وہ ایسا قول ہوتا ہے جو امام صاحب فرما چکے ہوتے ہیں اور حضرت امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں میرا ہر وہ قول جس میں، میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اختلاف کرتا ہوں وہ آپ نے فرمایا پھر آپ نے اس سے رجوع کر لیا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ حضرات (آپ کے شاگرد) آپ کے خلاف راستے پر نہیں چلے بلکہ انہوں نے جو کچھ بھی فرمایا اپنے استاذ کے اقوال کی اتباع میں اپنی رائے اور اجتہاد سے فرمایا الحاوی القدسی میں فرمایا۔

جب ان میں کسی کا قول لیا جائے تو قطعی طور پر جاننا چاہئے کہ انہوں نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہی لیا ہے کیونکہ آپ کے شاگردوں جیسے حضرت امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر اور امام حسن رحمھم اللہ سب نے فرمایا کہ ہم نے کسی مسئلہ میں جو کچھ بھی کہا وہ ہم نے حضرت

امام صاحب رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے اور اس پر انہوں نہایت تاکیدی قسمیں اٹھائی ہیں۔ پس فقہ کا ہر جواب اور مذہب حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے وہ جس انداز میں بھی ہوا اور جو کچھ آپ کے غیر کی طرف منسوب ہے وہ موافقت کی وجہ سے بطور مجاز منسوب ہے۔

سوال:۔ جب مجتہد کسی قول سے رجوع کر لے تو وہ اس کا قول نہیں رہتا کیونکہ وہ منسوخ کی طرح ہو جاتا ہے لہٰذا اس اعتبار سے آپ کے شاگردوں نے آپ کی مخالفت میں جو کچھ کہا وہ آپ کا مذہب نہیں ہوگا بلکہ ان کے اقوال ان کے مذاہب ہوں گے تو آپ کی طرف ان کی نسبت کیسے درست ہوگی اور حنفی حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کرتا ہے اس لئے وہ آپ کی طرف منسوب ہوتا ہے آپ کے غیر کی طرف نہیں۔

جواب:۔ حضرت علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں بھی اسی الجھن میں مبتلا رہا پھر میں نے اس کا جواب درمختار کے حاشیہ ردالمحتار میں یوں دیا کہ جب امام صاحب رحمہ اللہ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ وہ آپ کے اقوال میں سے اس قول کو اختیار کریں جس کی دلیل ان پر واضح ہو تو انہوں نے جو کچھ کہا وہ آپ ہی کا قول ہے کیونکہ وہ آپ کے وضع کردہ قواعد پر مبنی ہے لہٰذا آپ نے اس سے ہر اعتبار سے رجوع نہیں فرمایا۔

سوال:۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اصحاب کے اقوال درحقیقت آپ ہی کے اقوال ہیں اس بات پر آپ نے خود کیا ارشاد فرمایا؟

جواب:۔ آپ نے فرمایا **اذا صح الحدیث فھو مذھبی** جب تمہیں کوئی صحیح حدیث مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔ اسی بنیاد پر فقہاء کرام نے فرمایا کہ جب صحیح حدیث مل جائے اور وہ آپ کے مذہب کے خلاف ہو تو اس حدیث پر عمل کیا جائے وہی آپ کا مذہب ہوگا اور اس پر عمل کی وجہ سے آپ کا مقلد حنفیت سے خارج نہیں ہوگا

سوال:۔ آپ کا یہ قول کس نے نقل کیا ہے؟

جواب:۔ آپ کا یہ قول امام ابن عبدالبر نے خود امام صاحب سے اور دیگر ائمہ سے نقل

کیا نیز امام عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ نے ائمہ اربعہ سے نقل کیا ہے۔

سوال:۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اختلاف کے اہل کون لوگ ہیں؟

جواب:۔ آپ سے اختلاف کرنے والے آپ کے وہ شاگرد ہیں جو نصوص میں گہری نظر رکھتے تھے اور ان کو محکم و منسوخ کی پہچان حاصل تھی۔ پس جب اہل مذہب نے دلیل میں غور کیا اور اس پر عمل کیا تو اس کی نسبت مذہب کی طرف درست ہے کیونکہ صاحب مذہب کے حکم سے ایسا ہوا کیونکہ یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ اگر امام صاحب رحمہ اللہ کو اپنی دلیل کی کمزوری کا علم ہوتا تو آپ اس سے رجوع کرتے اور زیادہ قوی دلیل کی پیروی کرتے۔ اسی لئے محقق ابن الھمام رحمہ اللہ نے ان مشائخ کا رد کیا جنہوں نے دو اماموں کے قول پر فتویٰ دیا کیونکہ امام صاحب کے قول سے عدول اس وقت ہوتا ہے جب ان کی دلیل کمزور ہو۔

سوال:۔ کیا ایسا اجتہاد جائز ہے جو مذہب میں کسی قول کے خلاف ہو؟

جواب:۔ فقہاء کرام نے اجتہاد کے ذریعے ایسے قول کی اجازت نہیں دی جو مذہب سے مکمل طور پر خارج ہو لہٰذا یہ شرط ہے کہ مذہب میں کسی نہ کسی قول کے موافق ہو اس بات پر ہمارے ائمہ متفق ہیں کیونکہ ان (اصحاب مذہب) کا اجتہاد اس (مجتہد) کے اجتہاد سے اقویٰ ہے لہٰذا ظاہر بات یہ ہے کہ ان حضرات نے ایسی دلیل دیکھی ہے جو اس کی دلیل سے زیادہ راجح ہے حتیٰ کہ انہوں نے اس پر عمل نہ کیا۔ اسی لئے علامہ قاسم رحمہ اللہ نے اپنے شیخ خاتمۃ المحققین کمال بن ہمام رحمہ اللہ کے حق میں فرمایا کہ ہمارے شیخ کی ان ابحاث پر عمل نہ کیا جائے جو مذہب کے خلاف ہیں اور امام علامہ حسن بن منصور بن محمود اوز جندی المعروف قاضی خان رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا کہ۔۔۔ ہمارے زمانے میں مفتی کے لئے یہ طریقہ ہے کہ جب کوئی شخص اس سے کوئی مسئلہ پوچھے تو (وہ دیکھے) اگر ہمارے اصحاب سے بلا اختلاف کوئی ظاہر الروایت مروی ہو تو وہ اس کی طرف مائل ہو اور ان کے قول پر فتویٰ دے اور ان کے خلاف اپنی رائے نہ دے اگرچہ وہ مفتی مضبوط مجتہد ہو کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ حق ہمارے اصحاب کے ساتھ ہے پس وہ ان (کے قول

) سے تجاوز نہ کرے کیونکہ اس کا اجتہاد ان کے اجتہاد کو پہنچ نہیں سکتا اور اسے ان کے مخالف کے قول کی طرف نظر نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی اس کی حجت کو قبول کرے کیونکہ ان حضرات (اصحاب مذہب) نے دلائل کو پہچانا اور صحیح و ثابت قول اور اس کے مخالف قول کے درمیان امتیاز کیا۔

سوال:۔ کیا ائمہ کے قول سے عدول کی کوئی صورت بھی ہے؟

جواب:۔امام خصاف رحمہ اللہ نے ادب القاضی کی شرح برہان الائمہ میں فرمایا کہ بعض اوقات ضرورت وغیرہ کے تحت ہمارے ائمہ کے قول سے عدول کیا جاسکتا ہے جس طرح تعلیم قرآن پر استئجار (اجرت پر معلم حاصل کرنا) کا مسئلہ بیان ہو چکا ہے۔اسی طرح دیگر عبادات جن پر اجرت نہ دی جائے تو دین کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے (مثلاً امامت واذان وغیرہ)۔لہٰذا ایسی صورت میں ائمہ کے قول کے خلاف فتویٰ دینا جائز ہے۔

سوال:۔امام اعظم رحمہ اللہ کے اصحاب نے جن مسائل میں اپنے امام کی مخالفت کی ان کی وجہ سے وہ آپ کی مذہب سے خارج نہیں ہوئے اس کی ایک وجہ قواعد امام پر تخریج ہے اس کی وضاحت کریں؟

جواب:۔یہ بات ذہن نشین رہے کہ اصحاب امام رحمھم اللہ کے وہ اقوال جن میں انہوں نے امام صاحب کی مخالفت کی وہ اس وقت معتبر ہوں گے جب معتبر مشائخ ان کو ترجیح دیں اسی طرح مشائخ نے جن مسائل کی بنیاد اس عرف کو بنایا جو زمانے کے تغیر سے پیدا ہوا یا ضرورت کو بنیاد قرار دیا تو اس صورت میں بھی وہ امام اعظم رحمہ اللہ کے مذہب سے خارج نہیں ہوں گے کیونکہ انہوں نے جس مسئلہ کو ترجیح دی ان کے نزدیک اس کی دلیل راجح تھی اور انہیں اپنے امام کی طرف سے اس بات کی اجازت تھی۔اسی طرح انہوں نے جن مسائل کی بنیاد زمانے کے تغیر اور ضرورت کو بنایا (ان کی بھی اجازت تھی) کیونکہ اگر ان کے دور میں حضرت امام اعظم رحمہ اللہ زندہ ہوتے تو وہ وہی بات فرماتے جو انہوں نے فرمائی ہے کیونکہ ان حضرات نے جو کچھ فرمایا وہ آپ ہی کے وضع کردہ قواعد پر مبنی ہے پس وہ آپ کے مذہب کا مقتضیٰ ہے۔

سوال:-جب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگردوں یا آپ کے مقلد مجتہدین کا قول آپ ہی کا قول کہلاتا ہے اگرچہ آپ کے قول کے خلاف ہو تو کیا اس طرح کہنا جائز ہے قال ابو حنیفة کذا (حضرت ابوحنیفہ نے یوں فرمایا)۔

جواب:-یہ الفاظ کہنا مناسب نہیں البتہ جو قول آپ سے صراحتاً مروی ہو اس کے بارے میں یہ الفاظ کہتے ہیں لیکن یوں کہنا چاہیے۔مقتضی مذھب ابی حنیفة کذا حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کا مقتضیٰ اسی طرح ہے۔

سوال:-صاحب الدرر والغرر نے کتاب القضاء میں فرمایا کہ جب قاضی مجتہد فیہ مسئلہ میں اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ دے تو نافذ نہیں ہوگا اس کی وضاحت کریں؟

جواب:-اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ مثلاً حنفی قاضی، شافعی مذہب وغیرہ کے مطابق فیصلہ کرے یا شافعی قاضی، حنفی مذہب کے مطابق فیصلہ کرے تو نافذ نہیں ہوگا۔لیکن جب حنفی قاضی، حضرت امام ابو یوسف یا امام محمد رحمہما اللہ یا حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے اصحاب میں سے ان دونوں (امام ابو یوسف امام محمد رحمہما اللہ) کے مرتبہ کے امام کے مذہب کے مطابق فیصلہ کرے تو نافذ ہو جائے گا کیونکہ یہ فیصلہ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کی رائے کے مطابق ہی ہے (یعنی حنفی مذہب کے مطابق ہی فیصلہ ہے)

سوال:- کیا حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ کے اقوال کی نسبت حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کی طرف کی جاسکتی ہے؟

جواب:-دو قسم کے مسائل ہیں ایک وہ جن کی ان حضرات نے حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے قواعد پر تخریج کی اور دوسرے وہ مسائل جو ان حضرات نے اپنے وضع کردہ قواعد کے مطابق حل کئے اور وہ امام اعظم رحمہ اللہ کے قواعد کے خلاف ہیں۔کیونکہ ان حضرات نے حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے تمام قواعد کا التزام نہیں کیا۔لہٰذا جن مسائل کی امام اعظم رحمہ اللہ کے قواعد پر تخریج کی گئی ان کی نسبت آپ کے مذہب کی طرف کرنا دوسرے مسائل کے مقابلے میں زیادہ

مناسب ہے۔

سوال:۔اگر صاحبین اور دیگر اصحاب امام اعظم کے اقوال، آپ سے مروی ہوں تو کیا حکم ہوگا؟

جواب:۔اس صورت میں ان حضرات کے قواعد بھی امام اعظم رحمہ اللہ کے قواعد ہوں گے کیونکہ ان کے اقوال کی بنیاد وہی قواعد ہیں اس بنیاد پر زیادہ مناسب یہ ہے کہ تخریجات کی نسبت آپ کے مذہب کی طرف کی جائے کیونکہ ان کی بنیاد وہ قواعد ہیں جن کو امام اعظم رحمہ اللہ نے ترجیح دی اور ان کو اپنے اقوال کی بنیاد بنایا پس جب قاضی ان قواعد کے مطابق فیصلہ کرے جو ان میں صحیح ہیں تو اس کا فیصلہ نافذ ہو جائے گا جس طرح آپ کے اصحاب کے اقوال میں سے صحیح ثابت قول کے ساتھ فیصلہ نافذ ہو جاتا ہے۔

سوال:۔روایات مذہب میں ترتیب کیا ہے؟

جواب:۔جس بات پر ہمارے ائمہ متفق ہوں تو مجتہد کے لئے جائز نہیں کہ وہ ان کے مذہب سے الگ اپنی رائے قائم کرے کیونکہ ان کی رائے زیادہ صحیح ہے پھر اگر ان ائمہ کے درمیان اختلاف ہو تو حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے جس مسئلہ کو اختیار کیا وہ مقدم ہوگا چاہے آپ کے اصحاب میں کوئی ایک آپ کے موافق ہو یا نہ۔اگر آپ کا مختار قول نہ ملے تو جسے حضرت امام یعقوب (امام ابو یوسف رحمہ اللہ) نے اختیار کیا وہ مقدم ہوگا کیونکہ آپ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے اصحاب میں سب سے بڑے ہیں۔اگر حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا مختار قول نہ پایا جائے تو حضرت محمد بن حسن رحمہ اللہ کا قول مقدم ہوگا کیونکہ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے بعد آپ امام اعظم رحمہ اللہ کے بڑے شاگردوں میں سے ہیں۔ان کے بعد حضرت امام زفر اور امام حسن بن زیاد رحمہما اللہ کا قول مقدم ہوگا ان دونوں کا قول ایک ہی مرتبہ میں ہے۔البتہ النھر کی عبارت یہ ہے کہ حضرت حسن رحمہ اللہ کا قول اختیار کیا جائے۔ایک قول یہ ہے کہ جب حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کے شاگرد آپ کی مخالفت کریں اور آپ اپنے قول میں منفرد ہوں تو

مفتی کو اختیار ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ صرف مفتی مجتہد کو اختیار ہے لہٰذا وہ اس قول کو اختیار کرے جس کی دلیل زیادہ مضبوط ہو۔

حضرت امام محمد رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا ذکر آپ کی کنیت سے کرتے ہیں لیکن جب آپ کے ساتھ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ذکر کریں تو آپ کے اسم علم (ذاتی نام یعقوب) کے ساتھ ذکر کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں **یعقوب عن ابی حنیفة** آپ نے یہ طریقہ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی وصیت کے مطابق اختیار کیا اور انہوں نے اپنے شیخ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ادب کو پیش نظر رکھا۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر اور ان کے ساتھ ہم پر بھی رحمت فرمائے اور قیامت تک ان کے نفع کو باقی رکھے (آمین)

سوال:۔ اگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہو تو کیا کیا جائے؟

جواب:۔ اگر مفتی مجتہد نہیں تو وہ اسی ترتیب کو اختیار کرے جو گذشتہ سطور میں بیان کی گئی مفتی مجتہد ہو تو اسے اختیار ہے لیکن زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ قوت دلیل کا اعتبار ہوگا۔ اس سلسلے میں علامہ شامی رحمہ اللہ بطور خلاصہ فرماتے ہیں کہ جب صاحبین کا امام اعظم رحمہ اللہ سے اختلاف ہو تو اس میں تین قول ہیں۔

(۱) کسی اختیار کے بغیر امام اعظم رحمہ اللہ کے قول کو اختیار کیا جائے

(۲) مطلقاً اختیار ہے (مفتی مجتہد ہو یا غیر مجتہد)

(۳) اس میں تفصیل ہے یعنی مجتہد اور غیر مجتہد میں فرق ہے یہ قول صحیح ہے (مجتہد کو اختیار ہے غیر مجتہد کو اختیار نہیں)

امام قاضی خان رحمہ اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا دو قولوں کے درمیان موافقت اسی طرح ہو سکتی ہے کہ مفتی پر امام اعظم رحمہ اللہ کے قول کی اتباع اس صورت میں ہوگی جب وہ غیر مجتہد ہو اور اختیار اس وقت ہوگا جب مجتہد ہو۔ اس کے نزدیک جو دلیل راجح ہو اسے اختیار کرے اور اگر امام اعظم رحمہ اللہ سے کوئی حکم منقول نہ ہو تو وہی ترتیب ہوگی جو بیان ہو چکی ہے۔

سوال:۔اگر صاحبین میں سے کوئی ایک امام حضرت امام اعظم رحمہ اللہ سے متفق ہو اور دوسرا مخالف تو کیا حکم ہوگا؟

جواب:۔اگر صاحبین میں سے کوئی ایک امام، امام اعظم رحمہ اللہ کے موافق ہو تو امام صاحب کا قول اختیار کیا جائے گا اس میں کوئی اختلاف نہیں۔امام قاضی خان رحمۃ اللہ فرماتے ہیں اگر کسی مسئلہ میں ہمارے اصحاب کے درمیان اختلاف ہو تو اگر حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے ساتھ آپ کے اصحاب میں سے کوئی ایک ہو تو ان دونوں کے قول کو اختیار کرے یعنی امام صاحب اور جو آپ کے موافق ہیں۔کیونکہ یہاں شرائط زیادہ پائی جاتی ہیں اور اس مسئلہ میں درستگی کے دلائل جمع ہیں البتہ جب مشائخ دوسرے قول پر متفق ہو جائیں تو اسے اختیار کرے جس طرح فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ نے کئی مسائل میں حضرت امام زفر رحمہ اللہ کے قول کو اختیار کیا ہے۔اور اگر اس مسئلہ میں صاحبین آپ کے مخالف ہوں تو اگر ان کا اختلاف زمانے کا اختلاف ہے جیسے ظاہر عدالت کے ساتھ فیصلہ کرنا تو صاحبین کے قول کو اختیار کرے کیونکہ لوگوں کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔اور مزارعت اور معاملہ وغیرہ میں صاحبین کے قول کو اختیار کرے کیونکہ اس پر متاخرین کا اجماع ہے اور ان کے علاوہ مسائل میں مفتی کو اختیار ہے وہ اس پر عمل کرے جو اس کی رائے کے مطابق ہو۔حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ کے قول پر عمل کرے۔

سوال:۔صاحبین یا ان میں سے کسی ایک کے قول کو حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر کب ترجیح دی جائے گی؟

جواب:۔آپ کے قول پر صاحبین یا ان میں سے کسی ایک کے قول کو ترجیح دینے کا موجب درج ذیل امور میں سے ایک کا پایا جانا ہے

(۱)جب امام صاحب کی دلیل ضعیف ہو۔

(۲)ضرورت یا تعامل الناس اور عرف کی وجہ سے جیسے مزارعت اور معاملہ کے سلسلے

میں صاحبین کے قول کو ترجیح دینا۔

(۴) یا اس لئے کہ صاحبین کا اختلاف زمانے کے اختلاف کی وجہ سے ہے اگر حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے زمانے میں ایسا واقعہ پیش آتا جو صاحبین کے زمانے میں پیش آیا تو آپ کا قول ان حضرات کے قول کے موافق ہوتا جس طرح (گواہ کی) ظاہری عدالت) (عدم فسق) پر فیصلہ نہ کرنا۔

نوٹ: حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے زمانے میں گواہ کی ظاہری عدالت کو دیکھا جاتا تھا اور اس کی تعدیل نہیں کی جاتی تھی لیکن بعد میں فساد زمانہ کی وجہ سے صاحبین نے گواہ کی تعدیل کو ضروری قرار دیا اور ظاہری عدالت پر اکتفاء نہ کیا۔[1]

سوال:۔ مجتہدین نے ترجیح وتصحیح کے سلسلے میں کس قدر کوشش کی اور کیا طریقہ اختیار کیا؟

جواب:۔ علامہ محقق شیخ قاسم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مجتہدین کا وجود ہمیشہ رہا اور انہوں نے اختلافی مسائل میں غور وفکر کر کے مسائل کی ترجیح وتصحیح کا عمل جاری کیا اور سوائے چند مسائل کے انہوں نے باقی تمام مسائل میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح دی اور اسے اختیار کیا۔ البتہ بعض مسائل میں انہوں نے صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا یا ان میں سے ایک امام کے قول پر فتویٰ دیا اگر چہ دوسرے امام نے امام اعظم رحمہ اللہ کے ساتھ موافقت کی ہو۔ جس طرح انہوں نے ان (صاحبین) میں سے کسی ایک کے قول کو اختیار کیا جب ان کو حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کا قول نہ ملا، صاحبین یا ان میں سے ایک کے قول کو اختیار کرنے کی وجوہ وہی ہیں جو گذشتہ سوال کے جواب میں ذکر کی گئیں۔ بلکہ ان وجوہ کی بنیاد پر انہوں نے باقی تمام ائمہ کے مقابلے میں حضرت امام زفر رحمہ اللہ کے قول کو اختیار کیا۔ اور ان حضرات کی ترجیحات وتصحیحات باقی ہیں لہذا ہمیں راجح قول کی اتباع اور اس پر عمل کرنا چاہئے جیسے اگر وہ اپنی زندگی میں فتویٰ دیتے تو اس پر عمل کیا جاتا۔

۱۔ تعدیل کا مطلب یہ ہے کہ خفیہ طور پر اس کی دیانتداری وغیرہ کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں ۱۲ ہزاروی

سوال:۔ علامہ البیری رحمہ اللہ نے اجتہاد کی دو قسمیں بیان کی ہیں ان کی وضاحت کیجئے؟

جواب:۔ علامہ البیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہاں دو اجتہادوں میں سے ایک اجتہاد مراد ہے اور دو اجتہاد یہ ہیں:

(۱) اجتہاد فی المذہب، اس کی تعریف یوں کی گئی کہ وہ مجتہد اپنے امام کے منصوص کی وجوہ ظاہر کر سکے۔

(۲) اپنے امام کے مذہب میں متبحر (سمندر کی طرح) ہو کہ اپنے امام کے ایک قول کو دوسرے مطلق قول پر ترجیح دے سکے۔

سوال:۔ دور حاضر کے مفتی کی ذمہ داری کیا ہے ترجیح یا اتباع؟

جواب:۔ مفتی مجتہد کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اس کے قول پر فتویٰ دے جس کی دلیل زیادہ قوی ہو اور تفصیل میں نہ پڑے لیکن جب ہمارے زمانے میں مجتہد مفتی نہیں پائے جاتے اور اب (مفتی) محض مقلد ہیں تو ہم پر تفصیل واجب ہے یعنی پہلے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیں پھر امام یوسف رحمہ اللہ وغیرہ وغیرہ جس طرح پہلے تفصیل گزر چکی ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب مجتہدین مذہب نے اس (مثلاً امام صاحب کے قول) کے خلاف قول کو دلیل کی وجہ سے صحیح قرار نہ دیا ہو یا زمانے کے تغیر و تبدل کی وجہ سے اسے چھوڑا نہ گیا ہو لہٰذا ہم ان مجتہدین کی اتباع کریں گے جس طرح اگر وہ زندہ ہوتے اور فتویٰ دیتے تو ہم اس کی پیروی کرتے کیونکہ وہ لوگ مذہب کا زیادہ علم اور ادراک رکھتے تھے اور انہوں نے یہی عمل اختیار کیا ہم دیکھتے ہیں کہ کبھی وہ صاحبین کے قول کو ترجیح دیتے ہیں اور کبھی ان میں سے کسی ایک کے قول کو ترجیح دیتے ہیں بلکہ سترہ مسائل میں انہوں نے حضرت امام زفر رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح دی۔ خلاصہ یہ کہ دور حاضر کے مفتی کو مختلف اقوال کے درمیان ترجیح و تصحیح کا اختیار نہیں بلکہ اسے مجتہد فی المذہب کے قول پر فتویٰ دینا ہوگا۔

سوال:۔ حضرت اما اعظم رحمہ اللہ کے مقلد مشائخ کے لئے آپ کے علاوہ کسی امام کے

قول پر فتویٰ دینا کیسے درست ہوگا جب کہ فتویٰ دینے والے مشائخ آپ کے مقلد ہیں؟

جواب:- چونکہ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ اور آپ کے اصحاب نے فرمایا کہ کسی مفتی کے لئے ہمارے قول پر فتویٰ دینا اس وقت تک جائز نہیں جب تک اسے معلوم نہ ہو کہ ہم نے یہ بات کہاں سے کہی یعنی جب تک اسے ہماری دلیل کا علم نہ ہو اس لئے جب ان حضرات پر امام صاحب کی دلیل ظاہر نہ ہوتی اور دوسروں کی دلیل ظاہر ہوتی تو اس پر فتویٰ دیتے یہی وجہ ہے کہ حضرت عصام رحمہ اللہ نے بے شمار مسائل میں حضرت امام صاحب کی مخالفت کی۔

سوال:- کیا آج کے زمانے کے مفتی کے لئے بھی یہی شرط ہے؟

جواب:- نہیں! یہ اس زمانے کے لئے شرط تھی (کیونکہ وہ مجتہد تھے) آج کے مفتی کے لئے صرف یاد ہونا کافی ہے جس طرح قنیہ وغیرہ میں ذکر کیا گیا ہے لہٰذا حضرت امام صاحب کے قول پر فتویٰ محض جائز نہیں بلکہ واجب ہے اگرچہ آج کے مفتی کو یہ معلوم نہ ہو کہ آپ کے قول کی دلیل کیا ہے پس ہم پر لازم ہے کہ ہم امام صاحب رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیں اگرچہ مشائخ (مجتہدین) نے اس کے خلاف فتویٰ دیا ہو انہوں نے اس قسم کا فتویٰ اس لئے دیا کہ ان پر لازم تھا کہ وہ امام صاحب کے قول کی بنیاد معلوم کریں اور ان کے حق میں شرط نہیں پائی گئی اور ہمارے لئے لازم ہے کہ آپ کے قول پر فتویٰ دیں اگرچہ ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ آپ نے یہ قول کہاں سے لیا کیونکہ ہمارے لئے یہ شرط نہیں ہے جو شخص اہل نظر نہ ہو اس پر لازم ہے کہ وہ امام صاحب کے قول پر فتویٰ دے البتہ اہل نظر جب آپ کی دلیل کو ضعیف سمجھتے تو صاحبین کے قول کی طرف رجوع کرتے۔

سوال:- نظر و فکر اور فتویٰ کے لئے اہلیت سے کیا مراد ہے؟

جواب:- اہلیت نظر سے مراد یہ ہے کہ مجتہد مختلف اقوال کی پہچان بھی رکھتا ہو اور ان میں تمیز بھی کر سکتا ہو نیز وہ بعض کو بعض پر ترجیح بھی دے سکتا ہو اور فتویٰ کا اہل اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک اس کی درست باتیں اس کی خطا سے زیادہ نہ ہوں کیونکہ جب صحیح اور درست اقوال زیادہ ہوں گے تو وہ غالب ہوں گے اور غالب کے مقابلہ میں مغلوب کا اعتبار نہیں ہوتا

کیونکہ امور شرعیہ، اعم اور غالب پر مبنی ہوتے ہیں الولوالجیہ میں اسی طرح ہے اور مناقب کردری میں ہے کہ حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کسی شخص کا فتویٰ دینا اور قاضی کے منصب پر فائز ہونا کب جائز ہے تو انہوں نے فرمایا۔

"جب وہ حدیث میں صاحب بصیرت ہو اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کا عارف بھی ہو اور حافظ بھی"۔

سوال:- حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کا یہ قول کہ جب تک کسی شخص کو ہمارے قول کے ماخذ کا علم نہ ہو اس کے لئے فتویٰ دینا جائز نہیں اور ایسا شخص فتویٰ کا اہل نہیں ہوگا اس واسطے اس کے لئے فتویٰ دینا جائز بھی نہیں چہ جائیکہ واجب قرار دیا جائے۔

جواب:- غیر اہل سے جو فتویٰ صادر ہوتا ہے وہ حقیقت میں فتویٰ نہیں ہوتا وہ مجتہد سے نقل کرنا ہوتا ہے کہ وہ مجتہد اس بات کا قائل ہے لہذا اس اعتبار سے امام صاحب کے غیر کی بات نقل کرنا جائز ہوگا اور جب مشائخ نے آپ کے قول کے خلاف فتویٰ دیا تو ہم پر امام صاحب کے قول پر فتویٰ دینا کیسے واجب ہوگا ہم تو صرف نقل کر رہے ہیں اس کے علاوہ کچھ نہیں کرتے۔

سوال:- اس مسئلہ کی مزید وضاحت کریں

جواب:- اس کی توضیح یہ ہے کہ مشائخ کرام حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کی دلیل پر مطلع ہوئے اور انہیں اس بات کی پہچان حاصل ہوئی کہ آپ نے یہ قول کہاں سے فرمایا۔ اسی طرح وہ آپ کے اصحاب کی دلیل پر بھی مطلع ہوئے تو انہوں نے آپ کے اصحاب کی دلیل کو آپ کی دلیل پر ترجیح دی پس وہ اس پر فتویٰ دیتے ہیں ان کے بارے میں یہ گمان نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے امام صاحب کی دلیل سے بے خبر ہونے کی وجہ سے آپ کے قول سے عدول کیا کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان (مشائخ) کی کتب دلائل سے بھری پڑی ہیں پھر وہ کہتے ہیں مثلاً "الفتوی علی قول ابی یوسف رحمہ اللہ" اور جب ہم دلیل میں نظر کے اہل نہیں اور ہم فرع اور اصل کی شرائط کے حصول میں ان کے مرتبے تک نہیں پہنچ سکتے تو ہم پر ان کے اقوال کی اتباع لازم

ہے کیونکہ وہی لوگ مذہب میں اتباع کے لائق ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے اجتہاد کے ساتھ مذہب کی تقریر وتحریر کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ اسی لئے علامہ قاسم رحمہ اللہ نے فرمایا۔

مجتہدین نے اختلافی مسئلہ میں غور وفکر کر کے ترجیح وتصحیح کا عمل کیا تو ہم پر راجح قول کی اتباع اور اس پر عمل لازم ہے جس طرح اگر وہ اپنی زندگی میں فتویٰ دیتے (تو اس پر عمل کرنا ہم پر لازم ہوتا)۔

سوال:۔ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے قول سے کب عدول کیا جا سکتا ہے؟

جواب:۔ فتاویٰ علامہ ابن شبلی رحمہ اللہ میں ہے کہ کسی قاضی اور مفتی کے لئے حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے قول سے عدول جائز نہیں البتہ جب مشائخ میں سے کوئی ایک صراحتاً بیان کریں کہ فتویٰ آپ کے غیر کے قول پر ہے۔ لہذا امام صاحب کے غیر کے قول کو جب تک ترجیح نہ دی گئی ہو تو قاضی اس کے مطابق فیصلہ نہیں کر سکتا اور اگر وہ غیر کے قول پر فیصلہ کرے تو وہ نافذ نہیں ہوگا اور اس کے لئے اسے توڑنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوگا۔

سوال:۔ حضرت امام ابوحنیفہ کے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ ہمارے قول پر فتویٰ دینا جائز نہیں جب تک مفتی کو اس بات کا علم نہ ہو کہ ہم نے یہ قول کہاں سے لیا؟

جواب:۔ اس قول میں دو احتمال ہیں

پہلا احتمال: پہلا احتمال جو عام فہم ہے وہ یہ ہے کہ جب مفتی کے نزدیک کسی حکم میں امام صاحب کا مذہب ثابت ہو مثلاً وتر نماز کا وجوب، تو اس کیلئے فتویٰ دنیا جائز نہیں یہاں تک کہ وہ اپنے امام کی دلیل معلوم کرے اور بلاشک وشبہ یہ بات مفتی مجتہد کے ساتھ خاص ہے محض مقلد مفتی کے لئے نہیں کیونکہ تقلید کا معنی یہ ہے

"الاخذبقول الغیر بغیر معرفةدلیلہ" کسی دوسرے کا قول اس کی دلیل کی معرفت کے بغیر اختیار کرنا (یہ تقلید ہے)۔

لہذا جو معرفت دلیل کے ساتھ کسی دوسرے کا قول اختیار کرتا ہے وہ مقلد نہیں کیونکہ

دلیل کی چھان بین صرف مجتہد ہی کرسکتا ہے اور اس بات کی معرفت کہ فلاں مجتہد نے فلاں دلیل سے حکم لیا ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں لہذا ضروری ہے کہ مفتی پر وجوب معرفت دلیل سے مراد یہ ہو کہ وہ اس کے حال کی پہچان رکھتا ہوتا کہ اس کے لئے اپنے امام کی تقلید یقینی ہو اور وہ اس مسئلہ کے بارے میں دوسروں کو فتویٰ دے سکے اور یہ کام صرف مجتہد فی المذہب مفتی ہی کرسکتا ہے کیونکہ حقیقت میں وہی مفتی ہے دوسرے لوگ محض ناقل ہیں (ان کو مجازاً مفتی کہا جاتا ہے)۔

دوسرا احتمال: دوسرا احتمال یہ ہے کہ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کے مندرجہ بالا قول سے مراد یہ ہو کہ امام صاحب کے اصول سے استنباط واستخراج کرتے ہوئے آپ کے قول پر فتویٰ دینا۔ اور یہ کام صرف مجتہد کرسکتا ہے جو نو پید فروعی مسائل کے احکام مستنبط کرنے پر قادر ہونے کا ملکہ رکھتا ہو اور اہل نظر میں سے ہو اور ان فروعی مسائل میں صاحب مذہب سے ایسے اصول منقول نہ ہوں جن کو صاحب مذہب نے بنیاد بنایا تو ایسے مجتہد کو "مجتہد فی المذہب" کہا جاتا ہے اور اس کے لئے استنباط مسائل جائز ہے اگر اس میں یہ صلاحیت نہ ہو تو جائز نہیں۔

سوال:۔ کیا یہ بات جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمائی کہ کسی شخص کا ہمارے قول پر فتویٰ دینا جائز نہیں جب تک اسے اس کے ماخذ کا علم نہ ہو، امام صاحب کے ساتھ خاص ہے یا صاحبین کا بھی اس طرح کا قول ہے؟

جواب:۔ جی ہاں ! آپ کے اصحاب کے بھی اس طرح کے اقوال ہیں شرح البدیع للهندی میں ہے۔

حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام زفر اور ہمارے دیگر ائمہ رحمہم اللہ سے منقول ہے انہوں نے فرمایا "لایحل لاحد ان یفتی بقولنا مالم یعلم من این قلنا"

بعض حضرات کا قول اس طرح ہے "من حفظ الاقاویل ولم یعرف الحجج فلایحل له ان یفتی فیما اختلفوا فیه"

جس شخص کو (ائمہ کے) اقوال کا علم ہو لیکن دلائل کی معرفت نہ ہو تو اس کے لئے جائز

نہیں کہ ان مسائل میں فتویٰ دے جن میں اختلاف ہے۔ان ائمہ سے مجتہد فی المذہب ائمہ مراد ہیں اور یہ ان سات طبقات میں سے تیسرا طبقہ ہے جن کا ذکر ہو چکا ہے اور دوسرا طبقہ جو امام اعظم رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں وہ اجتہاد مطلق کے اہل ہیں لیکن انہوں نے امام اعظم رحمہ اللہ کے اکثر اصول وقواعد میں آپ کی تقلید کی ہے کیونکہ ایک مجتہد دوسرے مجتہد کی تقلید کر سکتا ہے یا یہ کہ ان کا اجتہاد امام صاحب کے موافق تھا جس طرح حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے بعض شاگرد جیسے قفال، شیخ ابو علی اور قاضی حسین وغیرہ کہتے تھے کہ ہم امام شافعی رحمہ اللہ کے مقلد نہیں بلکہ ہماری رائے امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے کے موافق ہے اور یہ بات حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے بارے میں بدرجہ اولیٰ کہی جا سکتی ہے ان حضرات نے بے شمار فروع میں امام صاحب کی مخالفت کی اس کے باوجود ان کے اقوال مذہب سے خارج نہیں۔

سوال:۔ مجتہد فی المذہب کا استنباط اور تخریج کے طور پر فتویٰ دینے میں طبقات فقہاء میں سے کون کون سے طبقات شامل ہیں؟

جواب:۔ جیسا کہ کتاب کے شروع میں بیان ہو چکا ہے کہ طبقات فقہاء سات ہیں (تفصیل وہاں ملاحظہ فرمائیں)۔

تو ان میں سے تین طبقات یعنی تیسرا، چوتھا اور پانچواں طبقہ اس میں مشترک ہیں ان کے علاوہ محض نقل پر اکتفاء کریں گے اور ہم پر بھی لازم ہے کہ جو کچھ ان مشائخ نے متقدین کے غیر منصوص استنباطات نقل کئے ہیں ان کی اتباع کریں اسی طرح انہوں نے جن اقوال کو ترجیح دی ان کی بھی اتباع کریں۔اگر چہ وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے غیر کے اقوال ہوں کیونکہ انہوں نے محض اندازے سے ترجیح نہیں دی بلکہ ماخذ پر مطلع ہونے کے بعد ترجیح دی جس طرح ان کی تصنیفات اس پر گواہ ہیں۔

سوال:۔ ابن الھمام رحمہ اللہ اہل ترجیح سے ہیں اس حوالے سے وضاحت کریں؟

جواب:۔ البحر کے کلام میں اس بات کی تصریح ہے کہ علامہ ابن الھمام رحمہ اللہ اہل

ترجیح میں سے ہیں۔

انہوں نے فرمایا "انه اهل للنظر في الدليل" وہ (ابن ھمام) دلیل میں نظر کرنے کے اہل ہیں اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ انہوں نے جن روایات یا اقوال کو ثابت کیا اور ترجیح دی ہم پر ان کی اتباع لازم ہے جب تک وہ مذہب سے خارج نہ ہوں کیونکہ ان کے کئی اختیار کردہ اقوال میں مذہب کی مخالفت ہے لہذا ان اقوال کی اتباع نہیں کی جائے گی۔ ان کی اہلیت نظر پر ان کے بعض ہم عصر علماء مثلاً البرہان الانباسی رحمہ اللہ کا یہ قول واضح دلیل ہے وہ فرماتے ہیں "اگر تم دین کے دلائل طلب کرو تو شہر میں ان کے علاوہ کسی کو نہیں پاؤ گے جو یہ دلائل قائم کرے"۔

سوال:۔ ابن الھمام رحمہ اللہ کے شاگرد بھی اسی چھوٹی جماعت (اہل ترجیح) میں شامل ہیں اس کی وضاحت کریں؟

جواب:۔ علامہ محقق شیخ الاسلام علی المقدسی، نظم الکنز پر اپنی شرح میں فرماتے ہیں کہ ابن ہمام رحمہ اللہ اجتہاد کے مرتبہ کو پہنچے تھے مزید فرماتے ہیں کہ اسی طرح علامہ قاسم رحمہ اللہ بھی ان اصحاب ترجیح کی اس چھوٹی سی جماعت میں شامل ہیں وہ اس کی دلیل یوں دیتے ہیں کہ علامہ قاسم رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ "رفع الاشتباه عن مسألة المياه" میں فرمایا کہ ہمارے علماء نے ایسے شخص کو جس میں اھلیت نظر ہو تقلید محض سے منع کیا کیونکہ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ ہمارے قول پر فتویٰ دے جب تک اسے معلوم نہ ہو کہ ہم نے یہ قول کہاں سے کہا ہے (یعنی اس کا ماخذ کیا ہے)۔

علامہ قاسم رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کے بعد میں نے ان کے ماخذ کو تلاش کیا اور الحمد للہ کئی ماخذ حاصل کئے اور میں نے مصنفین کی کتب کی تقلید پر قناعت نہ کی۔ اسی طرح آپ نے دوسرے رسالہ میں فرمایا الحمد للہ! میں وہی بات کہتا ہوں جو امام طحاوی رحمہ اللہ نے ابن حربویہ رحمہ اللہ سے کہی تھی کہ تقلید وہی کرتا ہے جو متعصب یا غبی ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام قاسم رحمہ

اللہ بھی ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے حضرت امام صاحب کے قول کے ماخذ سے آگاہی حاصل کی۔

سوال:۔ کیا صاحب بحر بھی دلیل میں نظر کرنے والوں میں سے ہیں؟

جواب:۔صاحب بحر نے فرمایا ہم پر واجب ہے کہ ہم حضرت امام صاحب کے قول پر فتویٰ دیں ،اس سے ثابت ہوا کہ وہ اہل نظر میں سے نہیں ہیں لہٰذا جب وہ کسی قول کی ایسی تصحیح کریں جو ان کے غیر کی تصحیح کے خلاف ہو تو اس کا اعتبار نہیں ہوتا چہ جائے کہ قواعد (امام صاحب کے قواعد) پر ان کا استنباط اور تخریج معتبر ہو۔

سوال:۔اگر مفتی کو امام اعظم رحمہ اللہ سے کوئی روایت نہ ملے تو فتویٰ دینے کی کیا صورت اور طریقہ ہوگا؟

جواب:۔الحاوی القدسی کے آخر میں فرمایا کہ جب کسی مسئلہ میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے کوئی روایت نہ ملے تو حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کے ظاہر پر عمل کرے پھر حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے قول کے ظاہر پر پھر حضرت امام زفر اور امام حسن رحمھما اللہ کے قول کے ظاہر پر عمل کرے اسی ترتیب سے چلے پہلے بڑے پھر ان کے بعد بڑے امام کا قول اختیار کرے اسی طرح کرتے کرتے حضرت امام صاحب کے بڑے شاگردوں میں سے آخری تک پہنچ جائے۔

سوال:۔اگر امام صاحب کے شاگردوں میں سے کسی کا قول نہ پائے تو کیا کرے؟

جواب:۔اگر کسی نو پید مسئلہ میں ان ائمہ میں سے کسی ایک کا ظاہر جواب نہ ملے اور متاخرین مشائخ نے اس کے بارے میں ایک ہی قول کیا ہو تو اسے اختیار کیا جائے اور اگر ان کے درمیان اختلاف ہو تو ان میں سے اکثر کا قول اختیار کیا جائے اور جس پر بڑے اور معروف فقہاء نے اعتماد کیا ہو جیسے ابو حفص، ابو جعفر، ابو اللیث، اور طحاوی رحمھم اللہ اور ان کے علاوہ، پس اس پر اعتماد کرے۔اور اگر ان سے بطور نص (واضح عبارت) کوئی جواب نہ پائے تو مفتی اس مسئلہ میں

غور وفکر کرے اور تدبر اور اجتہاد سے کام لے تاکہ اسے ایسا جواب مل جائے جو ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے قریب ہو اور اپنے منصب اور اس کی حرمت کے پیش نظر محض اندازے سے بات نہ کرے اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اسے پیش نظر رکھے کیونکہ یہ بہت بڑا معاملہ ہے اور اس پر وہی شخص جرأت کرتا ہے جو جاہل اور بد بخت ہے۔ اگر مسئلہ غیر ظاھر الروایت میں ہو تو اگر وہ ہمارے اصحاب کے اصول کے موافق ہے تو اس پر عمل کرے۔ اور اگر ہمارے اصحاب سے کوئی روایت نہ ملے اور متاخرین کسی مسئلہ پر متفق ہوں تو اس پر عمل کرے اور اگر ان میں اختلاف ہو تو اجتہاد کرتے ہوئے اس پر فتویٰ دے جو اس کے نزدیک صحیح اور درست ہے اور اگر مفتی مقلد غیر مجتہد ہو تو اس کا قول اختیار کرے جو اس کے نزدیک لوگوں میں زیادہ فقیہ ہے اور جواب کی اضافت اسی کی طرف کرے اور اگر لوگوں میں سے بڑا فقیہ کسی دوسرے شہر میں ہو تو خط کے ذریعے اس کی طرف رجوع کرے اور جو جواب ملے اسے لکھے محض اندازے سے نہ لکھے۔ اور اللہ تعالیٰ پر افتراء سے ڈرے کہ کہیں حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار نہ دے۔

سوال:۔ کسی عالم کا یہ کہنا "لَا اَدْرِیْ" (مجھے معلوم نہیں) کب ضروری ہوتا ہے اور یہ کس قدر اہم ہے؟

جواب:۔ اگر مفتی مجتہد نہ ہو بلکہ محض مقلد ہو تو اسے فتویٰ دینے کا حق نہیں جب تک کسی سے واضح نص نہ پائے۔ فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے اگر متاخرین میں (کسی مسئلہ میں) اختلاف ہو تو ان میں کسی ایک کے قول کو اختیار کرے اور اگر متاخرین کا کوئی قول نہ ملے تو اپنی رائے سے اجتہاد کرے جب وہ فقہ کی وجوہ کی معرفت رکھتا ہو اور اہلیت والوں سے مشورہ کرے اور جس شخص کو فقہی وجوہ کی معرفت حاصل نہ ہو بلکہ اس نے ایک یا زیادہ کتابیں پڑھیں اور ان کی سمجھ حاصل کی اور اس کو (کتابوں کی طرف) رجوع کی اھلیت حاصل ہو گئی نیز وہ کسی معتمد کتاب میں اس مسئلہ کے مقام پر آگاہ ہوا (تو اس کے مطابق فتوی دے) اور اگر یہ مسئلہ کسی کتاب میں نہ پائے تو اپنی رائے سے فتویٰ نہیں دے سکتا بلکہ اس پر لازم ہے کہ کہے "لَا اَدْرِیْ" مجھے معلوم نہیں۔ جس

طرح مجتہدین صحابہ کرام نے یہ الفاظ فرمائے حالانکہ وہ اس سے بڑے مرتبے والے تھے اسی طرح بعد کے علماء نے بھی کیا بلکہ جس ذات کو وحی کی تائید حاصل تھی (یعنی رسول ﷺ) انہوں نے بھی یہ الفاظ فرمائے۔ اور عام طور پر کسی مسئلہ پر نص کا نہ ملنا اس کی اطلاع نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے یا یہ کہ اسے یہ پتہ نہیں ہوتا کہ یہ مسئلہ کہاں مذکور ہے کیونکہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی مسئلہ درپیش ہو اور وہ کتب مذہب میں مذکور نہ ہو یا تو بعینہ مذکور ہوتا ہے یا ایسا قاعدہ کلیہ ذکر کیا جاتا ہے جو اس مسئلہ کو بھی شامل ہوتا ہے۔

سوال:- کسی مسئلہ کا اس کی نظیر کے مطابق فیصلہ کرنا یا قواعد وضوابط کے تحت فتویٰ دینا کیسا ہے؟

جواب:- علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کسی مسئلہ کی نظیر پر اکتفا نہ کرے کیونکہ ہوسکتا ہے دونوں میں فرق ہو جس تک اس کے فہم کی رسائی نہ ہو علماء کرام نے اسی وجہ سے کتب فروق تالیف کی ہیں کہ مسائل میں فرق ہوتا ہے لیکن ہمارے افہام ان تک نہیں پہنچتے لہٰذا مفتی پر لازم ہے کہ وہ صریح حکایت نقل کرے جس طرح فقہاء نے تصریح کی ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی مذاہب اربعہ میں ثابت ہے کہ قواعد اکثریہ ہوتے ہیں کلیہ نہیں ہوتے لہٰذا مفتی نے جو اقوال فقہاء یاد کیے (یا لکھے ہوئے پائے) ان کے مطابق فتویٰ دے خود اجتہاد نہ کرے البتہ بعض اوقات احکام عرف پر مبنی ہوتے ہیں لیکن نصوص کے مخالف نہیں ہوئے تو مفتی عرف کے مطابق فتویٰ دے۔

سوال:- علامہ شامی رحمہ اللہ نے اپنے اشعار میں کچھ قواعد ترجیح ذکر کیے ہیں ان کی وضاحت کیجیے؟

جواب:- آپ نے نو قواعد بیان کیے ہیں جو انہوں نے مختلف کتب میں متفرق طور پر ذکر کیے ہیں۔

قاعدہ ترجیح نمبر ا: عبادات میں مطلقاً امام اعظم رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ ہوگا جب تک آپ کے غیر سے کوئی صحیح روایت نہ ملے جیسے کسی شخص کے پاس پانی نہ ہو اور صرف کھجور کا نبیذ ہو تو

اس کے لئے صرف تیمم جائز ہے نیز آپ کے نزدیک مستعمل پانی پاک ہے (پاک کرتا نہیں)۔

قاعدہ نمبر۲: قضاء اور اس سے متعلق مسائل میں فتویٰ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر ہوگا کیونکہ آپ کو اس میں زیادہ تجربہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے حج کیا اور اس کی مشقت کو جانا تو اپنے اس فتویٰ سے رجوع کیا کہ نفلی حج سے صدقہ افضل ہے۔ شہادات میں بھی حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ ہوگا (کیونکہ یہ قضاء کے تابع ہیں)۔ البحر کی کتاب الدعویٰ میں ہے کہ اگر مدعیٰ علیہ خاموش رہے اور جواب نہ دے تو شیخین کے نزدیک وہ منکر کی طرح ہوگا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں اسے اس وقت تک قید کیا جائے جب تک وہ جواب نہیں دیتا جس طرح امام سرخسی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قضاء سے متعلق امور میں حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ ہوگا۔ علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اسی لئے میں ایسے مدعیٰ علیہ کو قید کرنے کا فتویٰ دیتا ہوں جو خاموش رہتا ہے اور جواب نہیں دیتا۔

قاعدہ نمبر۳: ذوی الارحام کے تمام مسائلِ توریث میں فتویٰ حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہوگا متعدد فقہاء کرام نے یہ بات لکھی ہے اور "الکافی" میں ہے کہ ذوی الارحام کے تمام مسائل میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مروی دو روایتوں میں سے مشہور روایت وہ ہے جو حضرت امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

قاعدہ نمبر۴: قیاس پر استحسان کو ترجیح دینا عام کتب میں ہے کہ جب قیاس اور استحسان دونوں ہوں تو سوائے چند مسائل کے استحسان کو قیاس پر ترجیح ہوگی۔ اجناس الناطفی میں ان مسائل کی تعداد گیارہ بتائی ہے علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے اپنی شرح المنار میں بھی ان کا ذکر کیا ہے پھر فرمایا کہ علامہ نجم الدین نسفی رحمہ اللہ نے ان کو بائیس کی تعداد تک پہنچایا ہے۔ انہوں نے التلویح سے یہ بات بھی نقل کی ہے کہ ترجیح کا مطلب یہاں یہ ہے کہ راجح استحسان پر عمل متعین ہوگا اور مرجوع (قیاس) پر عمل کو ترک کیا جائے گا۔ لیکن فخر الاسلام کے ظاہر کلام سے یہ بات ثابت

ہوتی ہے کہ یہاں ترجیح سے مراداولیٰ ہونا ہے حتی کہ مرجوح پر عمل بھی جائز ہے۔

قاعدہ نمبر ۵: ظاہر الروایت کی ترجیح:

البحر کے باب القضاء میں ہے کہ جو ظاہر الروایت سے نکل جائے وہ مرجوع عنہ ہے (اس سے رجوع کیا گیا) اور مرجوع مجتہد کا قول نہیں رہتا جس طرح پہلے گزر گیا ہے۔ اور انفع المسائل میں ہے کہ قاضی مقلد کے لئے جائز نہیں کہ وہ ظاہر الروایت کے علاوہ پر فیصلہ کرے وہ روایت شاذہ کے مطابق بھی فیصلہ نہ کرے البتہ جب فقہاء صراحتاً بیان کریں کہ فتویٰ اس (روایت شاذہ) پر ہے۔ البحر کے باب قضاء الفوائت میں ہے کہ جب کوئی مسئلہ ظاہر الروایت میں نہ ہو اور دوسری روایت میں ہو تو اس کی طرف لوٹنا متعین ہوگا۔

قاعدہ نمبر ٦: درایت (یعنی دلیل) سے عدول نہ کیا جائے شرح منیہ میں تعدیل ارکان کی بحث میں طمانیت کے بارے میں امام صاحب سے اختلاف روایت ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ کیا تعدیل ارکان واجب ہے یا سنت؟ اسی طرح قومہ اور جلسہ میں اس کا کیا حکم ہے تو فرمایا تم جانتے ہو کہ دلیل کا مقتضیٰ وجوب ہے، شیخ کمال الدین رحمہ اللہ نے اسی طرح فرمایا۔

تو درایت سے عدول مناسب نہیں جب وہ روایت کے موافق ہو لفظ درایت دال مہملہ (بغیر نقطہ) کے ساتھ ہے اور یہ دلیل کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے جس طرح المستصفیٰ میں ہے۔ اور الحاوی القدسی کے آخر میں اس کی تائیدیوں کی گئی کہ فرمایا کہ جب کسی مسئلہ میں حضرت امام صاحب رحمہ اللہ سے روایات مختلف ہوں تو اس روایت کو اختیار کرنا اولیٰ ہے جس کی دلیل زیادہ قوی ہو۔

قاعدہ نمبر ۷: عدم تکفیر کی روایت راجح ہے۔

البحر کے باب المرتد میں الفتاوی الصغریٰ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کفر بہت بڑا جرم ہے لہذا میں کسی مومن کو کافر نہیں کہتا جب کوئی ایسی روایت پاتا ہوں جو اس کی تکفیر نہیں کرتی پھر فرمایا کہ جب مومن کے کلام کو اچھے معنیٰ پر محمول کیا جا سکتا ہو یا اس کے کفر میں اختلاف ہو تو اس

کے کفر کا فتویٰ نہ دیا جائے اگر چہ ضعیف روایت ہی ہو۔

قاعدہ نمبر ۸: مرجوع الیہ پر عمل کو اختیار کیا جائے۔

البحر کے حوالے سے یہ بات قریب ہی گزر چکی ہے کہ جس قول سے رجوع کر لیا وہ مجتہد کا مذہب نہیں رہتا لہٰذا اس وقت وہ قول تلاش کیا جائے جس کی طرف اس نے رجوع کیا۔ اور اس پر عمل کیا کیونکہ پہلا قول منسوخ کے حکم میں ہو گیا۔ البحر میں التوشیح سے منقول یہ بات بھی ہے کہ مجتہد نے جس قول سے رجوع کر لیا اسے اختیار کرنا جائز نہیں اور شرح التحریر میں ہے کہ اگر متاخر قول کا علم ہو جائے تو وہی اس کا مذہب ہے اور پہلا قول منسوخ ہوگا اور اگر علم نہ ہو تو اس (مجتہد) سے دونوں قول نقل کرے اور ان میں سے کسی ایک میں رجوع کا حکم نہ لگائے۔

قاعدہ نمبر ۹: متون، فتاویٰ اور شروح سے مقدم ہوتے ہیں۔ اسی طرح شروح، فتاویٰ سے مقدم ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ متون میں تصحیح کا التزام کیا جاتا ہے البتہ جب فتاویٰ کی تصحیح کی جائے تو تصحیح صریح کی وجہ سے وہ مقدم ہوں گے کیونکہ تصحیح صریح، تصحیح التزامی سے مقدم ہوتی ہے فتاویٰ خیریہ میں ایک سوال کے جواب میں کہا گیا ہے کہ

جس قول کو اکثر متون نے ذکر کیا وہی قابل اعتماد ہے اور اسی پر عمل ہے کیونکہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جب متون کی عبارت اور فتاویٰ میں تعارض ہو تو جو کچھ متون میں ہے وہ معتمد علیہ ہے اسی طرح جو کچھ شروح میں ہے وہ فتاویٰ سے مقدم ہوگا۔ البحر، اور انفع الوسائل وغیرہ کتب میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔

سوال:- متون معتبرہ کون کون سے ہیں؟

جواب:- جب متون کا ذکر ہوتا ہے تو اس سے متون معتبرہ مراد ہوتے ہیں جیسے البدایہ، مختصر القدوری، المختار، النقایہ، الوقایہ، الکنز اور الملتقی یہ کتب ظاہر الروایۃ کے مطابق مذہب کے نقل کے لئے وضع کی گئی ہیں۔ جب کہ ملا خسرو کی کتاب الغرر کا متن تمرتاشی الغزی کی کتاب التنویر یہ معتبر متون نہیں کیونکہ ان میں اکثر مسائل فتاویٰ سے متعلق ہیں۔

سوال:۔ تصحیح التزامی کے اعتبار سے کتب کی تقسیم وترتیب کیا ہے؟

جواب:۔ جو اقوال فتاویٰ امام قاضی خان میں ہیں ان کو ترجیح کے اعتبار سے دوسروں پر فضلیت حاصل ہے کیونکہ آپ نے اپنے فتاویٰ کے شروع میں فرمایا کہ جس مسئلہ میں متاخرین کے اقوال زیادہ ہیں تو میں نے ان میں سے ایک یا دو قولوں پر اکتفاء کیا ہے اور جو زیادہ ظاہر تھا اسے مقدم کیا اور زیادہ مشہور قول سے آغاز کیا اس طرح میں نے طالبین کی قبولیت اور رغبت رکھنے والوں کی آسانی کو پیش نظر رکھا۔ اسی طرح ملتقی الابحر کے مصنف نے بھی معتمد قول کو مقدم کرنے کا التزام کیا۔

سوال:۔ دیگر کتب میں کیا طریقہ اختیار کیا گیا؟

جواب:۔ فتاویٰ قاضی خان اور ملتقی الابحر کے علاوہ کتب جن میں اقوال کو دلائل کے ساتھ ذکر کیا گیا جیسے ہدایہ اور اس کی شروح، کنز کی شروح، نسفی کی کافی اور البدائع اور ان کے علاوہ بڑی بڑی کتب میں یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ جب وہ اقوال ذکر کرتے ہیں تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کو موخر کرتے ہیں پھر ہر قول کی دلیل ذکر کرتے ہیں اس کے بعد حضرت امام صاحبؒ رحمہ اللہ کی دلیل ذکر کرتے ہیں جو دوسروں کے دلائل کے جواب پر مشتمل ہوتی ہے اور یہ آپ کے قول کی ترجیح ہے مگر جب دوسروں کے قول کو ترجیح دیتے ہیں تو صریح الفاظ میں ذکر کرتے ہیں۔

سوال:۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر عمل کی تصریح نہ ہو تو اس کی اولیت کی علامت کیا ہوگی؟

جواب:۔ شیخ الاسلام علامہ ابن شبلی رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ کے قول پر عمل ہوگا اسی لئے مشائخ نے عام طور پر آپ کی دلیل کو آپ کے خلاف اصحاب کی دلیل پر ترجیح دی ہے یہ مشائخ آپ کے مخالفین کے دلائل کا جواب بھی دیتے ہیں یہی بات آپ کے قول پر عمل کی دلیل ہے۔ اگرچہ وہ اس پر فتویٰ کا صراحتاً ذکر نہ کریں کیونکہ ترجیح

صریح تصحیح کی طرح ہوتی ہے۔

سوال:۔جب کسی مسئلہ میں ایک سے زائد قول ہوں تو ترجیح کیسے ہوگی؟

جواب:۔امام نسفی رحمہ اللہ کی کتاب "المستصفیٰ" میں ہے کہ جب کسی مسئلہ میں تین قول ہوں تو پہلا یا آخری قول راجح ہوگا درمیان والا نہیں۔

علامہ شامی رحمہ اللہ نے اس میں یہ قید لگائی ہے کہ یہ اس صورت میں ہوگا جب اس کتاب کے مصنف کی عادت معلوم نہ ہو اور وہ دلائل ذکر نہ کرے البتہ جب اس کی عادت معلوم ہو جس طرح فتاویٰ خانیہ اور الملتقی کے حوالے سے بیان ہوا تو ہم اس کی اتباع کریں گے اور جب دلائل ذکر کیے جائیں تو آخری دلیل کو ترجیح ہوگی۔

اگر دو قول ذکر کریں اور ان میں سے ایک کی علت بیان کریں تو اسے غیر معلل پر ترجیح ہوگی فتاویٰ خیریہ، التحریر اور اس کی شرح میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے وہ فرماتے ہیں۔ جس حکم کی علت بیان کی جائے اسے اس پر ترجیح ہوگی جس کی علت بیان نہیں کی گئی کیونکہ اس کی علت کا بیان کرنا اس کے اہتمام اور اس کی ترغیب پر دلالت ہے۔

سوال:۔افتاء کی علامات کیا کیا ہیں؟

جواب:۔فتاویٰ خیریہ کے آخر میں اور المضمرات کے شروع میں افتاء کی علامات یوں بیان کی گئی ہیں۔

وعلیه الفتویٰ به یفتیٰ ،به ناخذ،علیه الاعتماد ،علیه العمل الیوم ،علیه عمل الامة، هو الصحیح ،هو الأصح ،هو الاظهر ،هو المختار فی زماننا،فتویٰ مشائخنا، هو الاشبه اورهو الاوجه وغیره۔

سوال:۔ کیا یہ تمام الفاظ برابر ہیں یا ان میں سے کوئی تاکیدی بھی ہے؟

جواب:۔ان الفاظ میں سے بعض، دوسرے بعض کے مقابلے میں زیادہ تاکیدی ہیں، "الصحیح"، "الاصح" اور "الاشبه" وغیرہ الفاظ کے مقابلے میں "الفتویٰ" کا لفظ زیادہ تاکیدی

ہےاور "بہ یفتی"، "الفتوی علیہ" کے مقابلے میں زیادہ تاکیدی ہےاور "الصحیح" کے مقابلے میں "الاصح" میں تاکید زیادہ ہےاسی طرح "الاحتیاط" کے مقابلے میں "الاحوط" میں زیادہ تاکید ہے۔

سوال:۔ بعض فقہاء کرام نے "الاصح" کے مقابلے میں "الصحیح" کو ترجیح دی ہے کیا اس مسئلہ میں اختلاف ہے وضاحت کریں؟

جواب:۔ شرح المنیۃ کی بحث "مس المصحف" میں ہے کہ ہم نے مشائخ سے جو بات حاصل کی ہے وہ یہ ہے کہ جب دو معتبر امام تصحیح میں متعارض ہوں ان میں سے ایک کہے "الصحیح کذا" اور دوسرا کہے "الاصح کذا" تو اس کا قول اختیار کیا جائے جو لفظ "الصحیح" ذکر کرے "الاصح" کے مقابلے میں یہ اولیٰ ہے۔اس کی وجہ وہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ صحیح، فاسد کے مقابلے میں ہے اور اصح، صحیح کے مقابلے میں ہے لہٰذا جو لفظ "الاصح" استعمال کرتا ہے وہ اس کے صحیح ہونے کا بھی قائل ہے اور جو الصحیح کہتا ہے اس کے نزدیک دوسرا حکم فاسد ہے تو جس کے صحیح ہونے پر دونوں کا اتفاق ہے وہ اس کے مقابلے میں اولیٰ ہے جو ان میں سے ایک کے نزدیک فاسد ہے لیکن علامہ عبدالرزاق رحمہ اللہ نے درمختار کی اپنی شرح میں لکھا ہے کہ جمہور کے نزدیک الاصح میں الصحیح کے مقابلے میں تاکید زیادہ ہے۔علامہ شامی رحمہ اللہ اس تمام بحث کو ذکر کرنے کے بعد درمختار میں فرماتے ہیں کہ میں نے رسالہ ادب المفتیین میں دیکھا کہ جب کسی معتمد کتاب میں الاصح یا الاولیٰ یا الارفق کے الفاظ ہوں تو وہ اس کے ساتھ بھی فتویٰ دے سکتا ہے اور اس کے مخالف قول کے ساتھ بھی اسے اختیار ہے۔

اور جب لفظ الصحیح یا الماخوذ بہ یا بہ یفتی یا علیہ الفتویٰ کہا جائے تو اس کے مخالف قول کے ساتھ فتویٰ نہیں دے سکتا البتہ جب ہدایہ میں کسی حکم کو الصحیح کہا جائے اور الکافی میں اس کے مخالف حکم کو الصحیح کہا جائے تو اسے اختیار ہے لہٰذا جو اس (مفتی) کے نزدیک اقویٰ، زیادہ مناسب اور زیادہ بہتر ہو اسے اختیار کرے۔

سوال:۔ تصحیح کے ضوابط کتنے اور کون کون سے ہیں ان پر روشنی ڈالیں؟

جواب:۔ فقہاء کرام نے تصحیح کے سات ضوابط ذکر کیے ہیں:

(۱) اگر دو روایتوں میں سے ہر ایک کی تصحیح ایک ہی لفظ سے ہو مثلاً ان میں سے ہر ایک کے بارے میں کہا جائے ھوالصحیح یا ھوالاصح یا بہ یفتی، تو مفتی کو اختیار ہے (جسے چاہے اختیار کرے)۔

(۲) اگر دونوں کی تصحیح کے الفاظ مختلف ہوں تو اگر ایک کے لئے لفظ الفتویٰ ذکر کیا جائے تو وہ اولیٰ ہے کیونکہ جس پر فتویٰ دیا جاتا ہے وہ صحیح ہی ہوتا ہے لیکن ہر صحیح پر فتویٰ نہیں دیا جاتا کیونکہ بعض اوقات صرف صحیح پر فتویٰ اس لئے نہیں دیا جاتا کہ اس کا غیر زمانے کے تغیر یا ضرورت کے تحت زیادہ موافق ہوتا ہے۔ لہٰذا جس میں لفظ فتویٰ ہوگا وہ دو باتوں کو متضمن ہوگا ایک یہ کہ اس پر فتویٰ کی اجازت ہے اور دوسری بات اس کی تصحیح ہے کیونکہ اس پر فتویٰ دینا ہی اس کی تصحیح ہے بخلاف اس کے جب صرف لفظ صحیح یا اصح ہو (اور فتویٰ کی اجازت نہ ہو)۔

(۳) اگر دونوں روایتوں میں لفظ فتویٰ ہو تو اگر ایک روایت حصر کا فائدہ دے مثلاً بہ یفتی (بہ کو مقدم کیا) یا علیہ الفتویٰ تو یہ اولیٰ ہے بلکہ اس سے اولیٰ یہ الفاظ ہیں علیہ عمل الامۃ کیونکہ یہ الفاظ اجماع کا فائدہ دیتے ہیں۔

(۴) اگر ان میں سے کسی ایک میں بھی لفظ فتویٰ نہ ہو اور ایک روایت میں لفظ اصح اور دوسری میں لفظ صحیح ہو تو اس میں وہی اختلاف ہوگا جس کا بیان ہو چکا ہے کہ اصح کو ترجیح ہے یا صحیح کو؟ لیکن یہ اس صورت میں ہے جب دو کتابوں میں ہوں لیکن جب ایک کتاب میں ایک امام کی طرف سے ہوں تو پھر اس بات میں اختلاف نہیں ہوگا کہ اصح کو صحیح سے مقدم کیا جائے گا کیونکہ صحیح کی یہ نشانی کہ اس کے مقابلے میں فاسد ہوتا ہے یہ اس تصریح کے بعد ہوتا ہے کہ صحیح کے مقابلے میں اصح ہے مگر جب کہ مسئلہ میں تیسرا قول ہو تو وہ فاسد ہوگا اسی طرح اگر دو اماموں سے دو تصحیح ذکر کرے پھر کہے کہ تصحیح ثانی، پہلی تصحیح سے اصح ہے تو اس میں سے کوئی شک نہیں کہ اس کی مراد اس کو

ترجیح دینا ہے جسے اصح سے تعبیر کیا جاتا ہے حضرت علامہ قاسم رحمہ اللہ کی تصحیح میں اکثر ایسا ہوتا ہے۔

(۵) اگر دونوں روایتیں لفظ اصح یا لفظ صحیح کے ساتھ ہوں تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسے (مفتی کو) دونوں کے درمیان اختیار ہوگا جب تصحیح کرنے والے دونوں امام ایک ہی درجہ میں ہوں۔

(۶) اگر ان دونوں میں سے ایک زیادہ علم والا ہو تو اس کی تصحیح کو اختیار کرے جس طرح مثلاً ایک فتاویٰ خانیہ میں اور دوسری فتاویٰ بزازیہ میں ہو تو قاضی خان کی تصحیح اقویٰ ہوگی علامہ قاسم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کی تصحیح پر اعتماد کیا جاتا ہے قاضی خان ان میں زیادہ حق رکھتے ہیں۔

(۷) اسی طرح (مفتی کو) اختیار ہوگا جب دونوں روایتوں میں سے صرف ایک لفظ تصحیح لفظ اصح، احوط یا اولیٰ یا ارفق کے ساتھ ہو اور دوسری تصحیح سے خاموشی ہو کیوں کہ ان الفاظ کے ساتھ تصحیح سے دوسری روایت کی تصحیح ثابت ہوتی ہے لیکن جس کی تصریح ہے اسے اختیار کرنا اولیٰ ہے کیونکہ اس کی صحت زیادہ ہے۔ اسی طرح اگر ایک کی تصحیح لفظ اصح کے ساتھ اور دوسری کی لفظ صحیح کے ساتھ صراحتاً ہو تو الاصح کو اختیار کرنا اولیٰ ہے۔

سوال:- اگر تصحیح میں تعارض ہو تو ترجیح کی کیا صورت ہوگی؟

جواب:- علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے پہلے جو بیان کیا گیا کہ جب ایک مسئلہ میں دو قول ہوں اور دونوں کی تصحیح کی گئی ہو تو مفتی کو اختیار ہے تو یہ بات مطلق نہیں بلکہ یہ اس وقت ہے جب تصحیح سے پہلے یا بعد اس کو ترجیح نہ دی گئی (یعنی جب ایک کو تصحیح کے ساتھ ترجیح بھی دی گئی ہو تو مفتی اس کو اختیار کرے گا اب اسے اختیار نہیں ہوگا)

مرجحات (ترجیح دینے والی باتیں) دس ہیں

(۱) جب ایک قول کی تصحیح لفظ صحیح کے ساتھ اور دوسرے کی لفظ اصح کے ساتھ ہو تو مشہور قول کے مطابق اصح کو صحیح پر ترجیح ہوگی۔

(۲) ایک قول لفظ فتویٰ کے ساتھ ہو اور دوسرا اس کے علاوہ کے ساتھ ہو تو فتویٰ والے قول کو ترجیح ہوگی۔

(۳) اگر تصحیح شدہ قولوں میں سے ایک متون میں اور دوسرا غیر متون میں ہو تو متون والے کو ترجیح ہوگی کیونکہ یہ (متون) نقل مذہب کے لئے ہیں۔
تو اسی طرح جب دو تصحیحوں میں تعارض ہو تو متون والے کو ترجیح ہوگی۔

(۴) اگر ایک قول امام اعظم رحمہ اللہ کا ہو اور دوسرے آپ کے کسی شاگرد کا تو امام صاحب کا قول مقدم ہوگا کیونکہ عدم ترجیح کی صورت میں امام صاحب کا قول مقدم ہوتا ہے تو اسی طرح ترجیح کے بعد بھی آپ کا قول مقدم ہوگا۔

(۵) اگر دونوں قولوں میں سے ایک ظاہر الروایت ہو تو وہ دوسرے پر مقدم ہوگا البحر کی کتاب الرضاع میں ہے کہ جب اختلاف ہو تو ظاہر الروایت کو ترجیح ہوگی اسی کتاب کے باب الصرف میں ہے کہ جب تصحیح میں اختلاف ہو تو ظاہر الروایت کی تلاش اور اس کی طرف رجوع واجب ہے۔

(۶) دو مصحَّح قولوں میں سے ایک کے قائل زیادہ مشائخ ہوں تو مشائخ کی طرف سے یہ بات مقرر ہے کہ جس قول کے زیادہ مشائخ قائل ہوں اس کو ترجیح ہوگی الاشباہ کی شرح البیری اور الحاوی القدسی میں اسی طرح ہے۔

(۷) اگر دو قولوں میں سے ایک استحسان اور دوسرا قیاس ہو تو یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ چند مسائل کے علاوہ استحسان کو ترجیح ہوگی۔

(۸) الحاوی القدسی وغیرہ کتب میں ہے کہ جب علماء کے درمیان اختلاف ہو تو جس میں وقف کا زیادہ نفع ہو اسے ترجیح ہوگی۔

(۹) جو قول اس زمانے کے لوگوں کے زیادہ موافق ہو چاہے عرف کی وجہ سے یا آسان ہونے کی وجہ سے تو اس پر اعتماد اولیٰ ہے اسی لئے علماء نے گواہوں کے تزکیہ اور ظاہری عدالت پر اکتفاء نہ کرنے کے سلسلے میں صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا ہے کیونکہ زمانے کے حالات بدل گئے حضرت امام اعظم رحمہ اللہ اس زمانے میں تھے جس کے اچھا ہونے کی رسول ﷺ نے گواہی دی

آپ نے فرمایا "خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم"۔ بہترین زمانہ میرا ہے پھر وہ جو اُن (صحابہ کرام) سے ملے ہوئے ہیں پھر جو اُن (تابعین) سے ملے ہوئے ہیں تو امام صاحب رحمہ اللہ تابعین میں سے تھے۔

بخلاف صاحبین کے زمانے کے کیونکہ اس میں جھوٹ عام ہو گیا لہٰذا گواہوں کا تزکیہ ضروری ہو گیا۔

اسی طرح فقہاء (متاخرین) نے ہمارے تینوں اماموں کے قول سے عدول کرتے ہوئے تعلیم وغیرہ پر اجارہ جائز قرار دیا کیونکہ زمانے کے بدلنے سے ضرورت پیش آئی حالانکہ ان تینوں ائمہ کا فتویٰ عدم جواز پر ہے۔

(۱۰) جب دو تصحیح پائی جائیں اور دلیل میں نظر کرنے کی اہلیت والے مجتہد بتائیں کہ ان میں ایک کی دلیل زیادہ واضح اور اقویٰ ہے تو اس پر عمل اولیٰ ہے۔

چونکہ دونوں قول مساوی ہیں اور تصحیح میں تعارض ہے تو جس کی دلیل اقویٰ ہے اس پر عمل اولیٰ ہوگا اسی طرح جب کسی ایک قول کی صراحتاً تصحیح نہ ہو تو ان مرجحات میں سے کوئی وجہ ترجیح جس قول میں ہو اسے مقدم کیا جائے گا۔

سوال:۔ مفہوم سے کیا مراد ہے اور مفہوم کی اقسام کتنی اور کون کون سی ہیں؟

جواب:۔ جو بات عبارت یعنی الفاظ کے ساتھ بیان نہ کی گئی ہو بلکہ عبارت سے سمجھی جاتی ہو اسے مفہوم کہتے ہیں۔

بنیادی طور پر مفہوم کی دو قسمیں ہیں (۱) مفہوم موافق (۲) مفہوم مخالف

مفہوم موافق: منطوق کا حکم مسکوت کے لئے ثابت کرنے پر لفظ کی دلالت جو محض لغوی معنیٰ سے حاصل ہو رائے اور اجتہاد کے ساتھ اس کا تعلق نہ ہو جیسے ارشاد خداوندی ہے فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ (الاسراء ۲۳) ان دونوں (ماں باپ) کو اُف تک نہ کہو۔ لفظ اُف منطوق ہے جو ماں باپ کو مارنے کی تحریم پر دلالت کرتا ہے اور ضرب (مارنا) مسکوت ہے یعنی لفظوں میں نہیں اور

دونوں (لفظ اف اور لفظ ضرب) اس بات پر متفق ہیں کہ ماں باپ کو اذیت دینا حرام ہے۔

مفہوم مخالف: لفظ کی سکوت کے لئے ایسے حکم کے ثبوت پر دلالت جو منطوق کے حکم کی نقیض ہے۔

مفہوم مخالف کی اقسام:

مفہوم مخالف کی چند اقسام ہیں:

(ا) مفہوم الصفت: جیسے "فی السائمۃ زکوۃ" چرنے والے جانوروں میں زکوۃ ہے اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جو جانور (سال کا اکثر حصہ) چرنے پر گزارہ نہیں کرتے بلکہ ان کو گھر میں چارہ دیا جاتا ہے ان میں زکوۃ نہیں ہے یہاں السائمہ صفت ہے اصل عبارت یوں ہوگی ..الدواب السائمہ...الدواب موصوف اور السائمہ صفت ہے۔

مفہوم الشرط: جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ (الطلاق ٦)

اور اگر وہ (مطلقہ) عورتیں حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرو (یہاں تک کہ بچہ پیدا ہو جائے)

(نوٹ) یہاں اِنْ حرف شرط ہے اور حاملہ ہونا شرط ہے اور مفہوم مخالف حاملہ نہ ہونا ہے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اگر مطلقہ حاملہ نہ ہو تو اسے دوران عدت نفقہ نہیں دیا جائے گا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے تو کیا وجہ ہے کہ نفقہ کے سلسلے میں حمل کی قید لگائی گئی اس کے جواب میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

انما نص على الانفاق على الحامل وان كانت رجعية لان العدة تطول مدته غالبا فاحتيج الى النص على وجوب الانفاق الى الوضع لئلا يتوهم انه انمايجب النفقة بمقدار مدة العدة (تفسیر ابن کثیر جلد ۸ ص ۱۷۱)

حاملہ مطلقہ کے نفقہ کو بطور نص (واضح الفاظ میں) ذکر کیا اگرچہ طلاق رجعی ہو کیونکہ بعض اوقات عدت طویل ہو جاتی ہے تو بچے کی پیدائش تک وجوب انفاق کا ذکر کرنے کی حاجت

تھی تا کہ یہ وہم نہ ہو کہ اس کا نفقہ بھی (مطلقہ) عورت کی عدت کی مقدار پر واجب ہے

مفہوم الغایہ: جیسے حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ (بقرہ ۲۳۰)

حتیٰ کہ وہ دوسرے شخص سے نکاح کرے۔

اس کا پس منظر یہ ہے کہ دو رجعی طلاقوں کے بعد رجوع ہو سکتا ہے ارشاد خداوندی ہے

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ (البقرہ ۲۲۹-۲۳۰)

جن طلاقوں کے بعد رجوع ہو سکتا ہے وہ دو طلاقیں ہیں (اس کے بعد) یا تو اچھے طریقے سے روک لینا ہے یا نیکی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے پس اگر (تیسری) طلاق دے تو وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں ہوگی یہاں تک کہ دوسرے شخص سے نکاح کرے (پھر حلالہ کا عمل ہو)

یہاں ''حتیٰ'' غایت کے لئے اور مفہوم مخالف یہ ہے کہ جب دوسرے شخص سے نکاح کرے (اور حلالہ ہو جائے) تو یہ حرمت ختم ہو جائے گی اور وہ پہلے خاوند کے لئے حلال ہوگی۔

(۴) مفہوم العدد: جیسے ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً (نور: ۴)

آیت کریمہ میں حد قذف اسی کوڑے بیان کی گئی اس کا مفہوم مخالف یہ ہوگا کہ جب قذف کی حد نہ ہو تو یہ تعداد نہیں ہوگی یعنی یہ عدد قذف کے ساتھ خاص ہے۔

(۵) مفہوم لقب: اور یہ کسی حکم کا جامد (یعنی غیر مشتق) کے ساتھ متعلق ہونا ہے جیسے (فی الغنم زکوٰۃ) یہاں غنم کا اشتقاقی معنیٰ مراد نہیں ہے بلکہ یہ خاص جانور کا حقیقی نام ہے۔

مفہوم مخالف یہ ہوگا کہ غیر غنم میں زکوٰۃ نہیں۔

سوال:۔ مفہوم معتبر ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اس میں تفصیل ہے وہ اس طرح کہ پہلی قسم (مفہوم موافق) معتبر ہے۔ یعنی جب منطوق اور مسکوت کا حکم ایک جیسا ہو تو بالاتفاق مفہوم معتبر ہے اور دوسری قسم (یعنی مفہوم مخالف) میں اس کی تمام اقسام میں اختلاف ہے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک آخری قسم (مفہوم اللقب) کے علاوہ تمام اقسام میں مفہوم مخالف معتبر ہے۔

پس پہلی قسم (مفہوم الصفت) اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ علوفہ یعنی جن جانوروں کو گھر میں چارا دیا جاتا ہے ان میں زکوۃ نہیں۔

دوسری قسم (مفہوم الشرط) کی اس بات پر دلالت ہے کہ غیر حاملہ عورت کو جب طلاق بائن دی جائے تو اس کے لئے نفقہ نہیں۔

تیسری قسم (مفہوم الغایہ) کی اس بات پر دلالت ہے کہ جب مطلقہ ثلاثہ دوسرے شخص سے نکاح کرے (حلالہ ہو جائے محض نکاح نہیں) تو وہ پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے گی۔

چوتھی قسم (مفہوم العدد) نے اس بات پر دلالت کی ہے کہ اسّی کوڑوں سے زائد کی نفی ہوگی (قاذف کو صرف اسّی کوڑے مارے جائیں گے) احناف کے نزدیک ان تمام اقسام میں مفہوم مخالف غیر معتبر ہے البتہ یہ صرف کلام شارع میں ہے (عوام کے کلام میں نہیں)۔

سوال:- غیر شارع کے کلام میں مفہوم مخالف کا حکم کیا ہے؟

جواب:- غیر شارع کے کلام میں مفہوم مخالف معتبر ہے۔ شیخ جلال الدین الخبازی رحمہ اللہ نے ہدایہ کے حاشیہ میں شمس الائمہ کردری رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ

ان تخصيص الشيء بذكر لايدل على نفي الحكم عماعداه في خطابات الشارع واما في متفاهم الناس وعرفهم وفي المعاملات والعقليات يدل

کسی چیز کی ذکر کے ساتھ تخصیص اس کے علاوہ سے اس حکم کی نفی پر دلالت نہیں کرتی اور یہ بات شارع کے خطابات میں ہے لیکن عوام کے فہم اور ان کے عرف نیز معاملات اور عقلیات میں کسی چیز کو ذکر کرنا اس کے علاوہ سے حکم کی نفی پر دلالت ہوتی ہے۔ متاخرین فقہاء نے اسے اختیار کیا اور خزانۃ الاکمل اور فتاویٰ خانیہ (فتاویٰ قاضی خان) میں بھی یہی بات اختیار کی گئی۔

مثال: اگر کسی شخص نے کہا "مالك عليّ اكثر من مائته درهم" (تیرے لئے

میرے ذمہ ایک سو درھم سے زائد نہیں) تو یہ صرف ایک سو کا اقرار ہوگا (اور اس کے علاوہ سے نفی ہوگی)۔

سوال:- روایات میں مفہوم مخالف معتبر ہے یا نہیں مثال کے ذریعے وضاحت کریں؟

جواب:- روایات میں مفہوم مخالف معتبر ہے یہ بات النھر کے باب الحج میں بیان کی گئی ہے۔اسی میں سنن وضو کے بیان میں کہا گیا کہ مفاھیم الکتب (مفہوم سے روایت مراد ہے) حجت ہیں بخلاف اکثر مفاھیم نصوص کے (وہ حجت نہیں)۔

نوٹ: مفہوم سے مراد مفہوم مخالف ہے۔

غایۃ البیان میں اس کی مثال یوں بیان کی گئی ہے انہوں نے یہ عبارت نقل کی کہ عورت پر (غسل کے دوران) مینڈھیاں کھولنا لازم نہیں پھر فرمایا عورت کا ذکر کر کے مرد سے احتراز کیا (یعنی مرد پر لازم ہے) اور فرمایا روایات میں کسی بات کی تخصیص اس کے علاوہ کی نفی پر دلالت ہے لیکن نصوص (شارع کے کلام) میں ایسا نہیں ہے۔

سوال:- روایات میں صحابہ کرام کے اقوال بھی داخل ہیں تو کیا اقوال صحابہ میں بھی مفہوم مخالف معتبر ہوگا؟

جواب:- صحابہ کرام کے اقوال دو قسم کے ہیں ایک وہ جن کا ادراک رائے اور اجتہاد کے ساتھ ہوسکتا ہے ان میں مفہوم مخالف معتبر ہے۔

اور دوسری قسم میں وہ اقوال شامل ہیں جن کا ادراک رائے اور اجتہاد سے نہیں ہوسکتا اور وہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہونے کی وجہ سے کلام شارع میں شامل ہیں ان میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوگا کیونکہ نصوص میں ان کے علاوہ پر دلالت نہیں ہوتی۔غایۃ البیان کے باب جنایات الحج میں بیان کیا گیا ہے کہ جب مُحرم پر کوئی درندہ حملہ کرے اور مُحرم اسے قتل کرے تو اس پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا۔کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے (حالت احرام میں) درندے کو قتل کیا تو ایک بکری کی قربانی دی اور فرمایا کہ ہم نے ہی ابتداء کی تو آپ نے قربانی دینے کی علت یہ بیان

ہے کہ دوسرے کے حملے کے بغیر اسے قتل کیا اس کا مفہوم مخالف یہ کہ اگر وہ حملہ کرے اور اسے قتل کیا جائے تو بدلہ لازم نہیں ہوگا اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ علت بیان کرنا کہ ہم نے ابتدا کی بے فائدہ ہوتا۔

سوال:- آپ حضرات (احناف) کے نزدیک کسی چیز کی ذکر کے ساتھ تخصیص اس کے غیر سے نفی نہیں کرتی تو تم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول سے کیسے استدلال کیا؟

جواب:- ہم کہتے کہ یہ بات خطابات شرع میں ہے جہاں تک روایات اور معقولات کا تعلق ہے تو اس میں مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا علت بیان کرنا معقولات سے ہے۔

خلاصہ:- احکام کی تعلیل کبھی نص شرعی یعنی آیت اور حدیث کے ساتھ ہوتی ہے اور کبھی معقول کے ساتھ جس طرح یہاں مذکورہ بالا مثال میں ہے اور علل عقلیہ کلام شارع سے نہیں ہیں لہٰذا ان میں مفہوم (مخالف) معتبر ہوتا ہے اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ علماء فرماتے ہیں کہ اس علت کا مقتضی فلاں کام کا جواز اور فلاں کام کی حرمت ہے پس وہ مفہوم سے استدلال کرتے ہیں۔

سوال:- لوگوں کے کلام میں مفہوم مخالف کے سلسلے میں احناف کے دو قول ہیں ان کی وضاحت کریں اور راجح قول بتائیں؟

جواب:- الاشباہ کی کتاب القضاء میں کہا گیا ہے "لایجوز الاحتجاج بالمفهوم فی کلام الناس فی ظاهر المذهب کالادلة" ظاہر مذہب کے مطابق لوگوں کے کلام میں مفہوم سے استدلال جائز نہیں جس طرح ان کا کلام دلیل نہیں بن سکتا۔

علامہ بیری رحمہ اللہ نے بھی اپنی شرح میں اور فتاویٰ ظہیریہ میں بھی اسی طرح کہا گیا اور اسے ظاہر مذہب قرار دیا گیا ہے۔

جب کہ امام محمد رحمہ اللہ نے مفہوم سے استدلال کو جائز قرار دیا اسی طرح امام سرخسی رحمہ اللہ نے بھی جائز قرار دیا تو یہ دو قول ہیں۔

علامہ شامی رحمہ اللہ دوسرے قول کو جائز قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ لوگوں کے کلام میں مفہوم کو حجت قرار دینا متاخرین کا قول ہے اور شاید انہوں نے سیر کبیر کی عبارت کو دلیل بنایا کیونکہ یہ ظاہر الروایت کی چھ کتب میں سے ہے بلکہ تصنیف کے اعتبار سے ان میں سے سب سے آخری کتاب ہے لہٰذا اسی پر عمل ہوگا۔

سوال:۔ مفہوم کے اعتبار اور عدم اعتبار کی توجیہ کیا ہے؟

جواب:۔علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں آج کے دور میں کلام شارع کے غیر میں مفہوم کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ کیونکہ کسی کے کلام میں کسی بات پر تنصیص سے لازم نہیں آتا کہ اس کے علاوہ سے نفی کا فائدہ حاصل ہو۔ کیونکہ شارح کا کلام بلاغت کی کان (معدن) ہے لہٰذا بعض اوقات اس کی مراد منصوص کا غیر ہوتا ہے۔ جیسے ارشاد خداوندی میں ہے

"وَرَبَائِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ" (النساء ۲۳)

اور تم پر حرام کی گئیں تمہاری وہ لے پالک بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں (وہ جن کی ماؤں سے تم ہمبستری کر چکے ہو)۔ تو حجور (یعنی پرورش) کی قید کا فائدہ یہ ہے کہ عام طور پر لے پالک لڑکیاں (اپنے سوتیلے باپ کی) پرورش میں ہوتی تھیں۔

(لہٰذا مفہوم مخالف مراد نہیں کیونکہ یہ قید اتفاقی ہے قید احترازی نہیں اس لئے جس عورت سے نکاح کیا اور جماع بھی کیا تو اس کی پہلے خاوند سے لڑکی اس دوسرے خاوند کی پرورش میں ہو یا نہ دونوں صورتوں میں حرام ہے ۱۲ ہزاروی)

لیکن لوگوں کا کلام اس فضیلت سے خالی ہوتا ہے لہٰذا ان کے کلام سے مفہوم (مخالف) پر استدلال کیا جا سکتا ہے کیونکہ لوگوں کے درمیان یہی معروف ہے اور شرح سیر کبیر میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ "ان الثابت بالعرف کا لثابت بالنص" بے شک عرف سے ثابت ہونے والی بات نص سے ثابت ہونے والی بات کی طرح ہے اور یہ قول فقہاء کرام کے اس قول کے قریب ہے کہ "المعروف کالمشروط" معروف، مشروط کی طرح ہوتا ہے پس اس وقت جو بات عرف

سے ثابت ہوگی تو گویا یہ اس کے قائل کی اس پر نص ہے پس اس پر عمل کیا جائے گا۔

سوال:۔ روایات کے مفہوم کا حکم کیا ہوگا عوام الناس کے قول کی طرح یا شارح کے کلام کی طرح ہوگا؟

جواب:۔ مفہوم الروایات کے سلسلے میں وہی بات کہی جائے گی جو عوام الناس کے اقوال میں کہی گئی کیونکہ علماء کی اپنی کتب میں یہ عادت جاری ہے کہ وہ قیود اور شروط وغیرہ ذکر کرتے ہیں تو وہ اس بات کو خارج کرنے کی تنبیہ کرتے ہیں جس میں یہ قید یا شرط نہ ہو اور اس کا حکم منطوق کے حکم کے خلاف ہوتا ہے یہ ایسی بات ہے جو ان (علماء) کے درمیان معروف اور جاری ہے اور اس کا کوئی بھی منکر نہیں یہی وجہ ہے کہ ایسا شخص نہیں دیکھا گیا جو اسکی صریح مخالفت کرے۔

سوال:۔ کیا یہ کلی قاعدہ ہے کہ علماء کی مقید و مشروط روایات کا مقصد مخالف حکم کو خارج کرنا مقصود ہوتا ہے؟

جواب:۔ نہیں ایسا نہیں بلکہ اغلب یہی ہے جس طرح امام قہستانی رحمہ اللہ نے شرح النقایہ میں کہا اور غیر غالب سے ہدایہ کا یہ قول ہے۔

"وسنن الطهارة:غسل اليدين قبل ادخالهما الاناء اذااستيقظ المتوضی من نومه"

وضو کی سنتوں میں سے یہ بھی ہے کہ دونوں ہاتھوں کو برتن میں داخل کرنے سے پہلے دھوئے جب وضو کرنے والا اپنی نیند سے بیدار ہو تو یہاں نیند سے بیدار ہونے کی قید اتفاقی ہے اور حدیث کے یہ الفاظ برکت کے لیئے لائے گئے کیونکہ سنت بیدار ہونے والے اور اس کے غیر دونوں کو شامل ہے اکثر علماء کا یہی قول ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ قید احترازی ہے تا کہ اس شخص کو نکالا جائے جو نیند سے بیدار ہونے والا نہیں شمس الائمہ کردری رحمہ اللہ اسی کی طرف مائل ہوئے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں اکثر یہ ہے بعض اوقات مفہوم مخالف مراد ہوتا ہے اور بعض اوقات مراد نہیں ہوتا بلکہ قید محض اتفاقی ہوتی ہے۔

سوال:۔ تصریح، مفہوم پر مقدم ہوتی ہے اس کی وضاحت کیجئے؟

جواب:۔ مفہوم حجت ہوتا ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے لیکن یہ اس صورت میں ہے جب صریح قول کے خلاف نہ ہو کیونکہ صریح قول مفہوم پر مقدم ہوتا ہے یہ بات امام طرطوسی رحمہ اللہ وغیرہ نے واضح طور پر بیان کی ہے اور اصولی حضرات نے بھی ادلہ کی ترجیح کے بیان میں ذکر کی ہے کہ جو لوگ ادلہ شرعیہ میں مفہوم کے اعتبار کے قائل ہیں وہ اسی وقت اعتبار کرتے ہیں جب کوئی صریح قول اس (مفہوم) کے خلاف نہ ہو اگر خلاف ہو تو صریح پر عمل ہوگا اور مفہوم لغو ہو جائے گا۔

سوال:۔ عرف کی تعریف ذکر کریں نیز اس کی اصل بتائیں؟

جواب:۔ المستصفیٰ میں عرف کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے

"العرف والعادة ما استقر في النفوس من جهة العقول وتلقته الطباع السليمة بالقبول"

عرف اور عادت وہ چیز ہے جو عقل کی جہت سے نفوس میں قرار پکڑ لے اور سلیم الطبع لوگ اسے قبول کریں۔

شرح التحریر میں اس کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

"العادة هي الامر المتكرر من غير علاقة عقلية"

عادت وہ کام ہے جو بار بار کیا جاتا ہے اور اس میں عقل کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

الاشباہ والنظائر میں قواعد فقہیہ میں سے چھٹا قاعدہ "العادۃ محکمۃ" کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔

اور اس کی اصل رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بیان کیا گیا ہے۔

"ماراه المسلمون حسنافهو عندالله حسن"

جس کام کو مسلمان (مسلمانوں کی اکثریت) اچھا سمجھے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھا ہوتا ہے۔

سوال:- عرف شرعی حجت ہے اس کا ثبوت اور شرائط ذکر کریں؟

جواب:- چونکہ مسائل کثیرہ میں عرف وعادت کا اعتبار ہوتا ہے اس لئے علماء نے اسے اصل (دلیل شرعی) قرار دیا۔

علماء کرام فرماتے ہیں استعمال اور عادت کی وجہ سے بعض اوقات حقیقی معنی ترک کر دیا جاتا ہے۔

"الاشباہ" میں (اس کی شرط کے طور پر) فرمایا کہ عادت (اور عرف) کا اعتبار اس وقت ہوتا ہے جب وہ غالب ہو یہی وجہ ہے کہ علماء کرام فرماتے ہیں۔

اگر کسی شخص نے کوئی چیز درہموں یا دیناروں کے بدلے میں ایسے شہر میں فروخت کی جہاں سکے مختلف مالیت کے ہوں اور رواج میں بھی اختلاف ہو تو بیع کو زیادہ غالب سکہ کی طرف لوٹا دیا جائے گا (یعنی جس کا رواج زیادہ ہو)

ھدایہ میں اس کی وجہ یوں بیان کی گئی ہے کہ وہی متعارف ہے لہٰذا جب مطلق (درھم یا دینار) ذکر کیا جائے تو اسی کی طرف پھیرا جائے گا۔

شرح البیری میں مبسوط سے نقل کیا گیا کہ "الثابت با لعرف کا لثابت بالنص" عرف سے ثابت ہونے والا حکم نص سے ثابت ہونے والے حکم کی طرح ہے۔

سوال:- صاحب مذہب مجتہد نے جو احکام ذکر کئے کیا وہ عرف کے بدلنے سے تبدیل ہو جاتے ہیں؟

جواب:- بے شمار احکام ایسے ہیں جن پر مجتہد صاحب مذہب کی نص موجود ہے کہ انہوں نے اپنے عرف اور زمانے کے اعتبار سے ان کو بیان کیا لیکن جب فساد زمانہ کے سبب عرف بدل گیا تو وہ بھی بدل گئے یا عموم ضرورت کی وجہ سے ان میں تبدیلی آئی جس طرح اس سے پہلے بیان ہوا کہ متاخرین فقہاء نے تعلیم قرآن پر اجارہ کو جائز قرار دیا اور صاحبین نے (گواہ کی) ظاہری عدالت (فاسق نہ ہونے) پر اکتفاء نہیں کیا (بلکہ اس کی تعدیل کو ضروری خیال کیا)

حالانکہ یہ عمل حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی نص (واضح قول) کے خلاف ہے۔

سوال:- علامہ شامی رحمہ اللہ نے اس تغیر کے سلسلے میں کچھ مسائل کا ذکر کیا ان پر روشنی ڈالیں۔

جواب:- علامہ شامی رحمہ اللہ نے تئیس (۲۳) ایسے مسائل کا ذکر کیا ہے جن میں عرف کے بدلنے سے تبدیلی آئی وہ درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سلطان کے علاوہ کسی کی طرف سے اکراہ متحقق نہیں تھا کیونکہ ان کے زمانے میں سلطان کے علاوہ کسی کے لئے اکراہ ممکن نہ تھا پھر جب فساد زیادہ ہو گیا تو دوسروں سے بھی اکراہ متحقق ہونے لگا حضرت امام محمد رحمہ اللہ اس کا اعتبار کرتے تھے اور متاخرین اسی پر فتویٰ دیتے تھے۔

(۲) مذہب کا قاعدہ یہ ہے کہ ضمان نقصان پہنچانے والے پر ہوگی متسبب پر نہیں لیکن فساد زمانہ کی وجہ سے فقہاء کرام نے اس شخص پر بھی ضمان کا فتویٰ دیا جو اس نقصان کا سبب بنتا اور اس کے لئے کوشش کرتا ہے اس کی وجہ بھی زمانے کا فساد ہے اور مقصود لوگوں کو جھڑکنا ہے بلکہ فتنہ کے زمانے میں ایسے لوگوں کو قتل کرنے کا بھی فتویٰ دیا گیا۔

(۳) اجیر مشترک پر ضمان ڈالنا۔ (جو شخص تمام لوگوں کا کام کرے وہ اجیر مشترک ہے اگر نقصان کرے تو اس پر ضمان ہوگی)

(۴) فقہاء کرام کا یہ قول کہ اس زمانے میں وصی کو یتیم کے مال میں مضاربت کا حق نہیں (کیونکہ دیانتداری مفقود ہے)۔

(۶،۵) فقہاء کا یہ فتویٰ دینا کہ غاصب پر یتیم کی زمین اور وقف کی ضمان ہوگی، ایک سال سے زیادہ مکانات کرائے پر نہ دینا اور زمینوں کا تین سال سے زیادہ اجارہ نہ کرنا حالانکہ یہ تمام صورتیں اصل مذہب کے خلاف ہیں کہ اصل مذہب میں ان پر ضمان نہیں جن کا ذکر ہوا نیز اجارہ کے لئے مدت کا تعین بھی نہیں (لیکن فساد زمانہ کی وجہ سے یہ فتویٰ دیا گیا)۔

(۷) قاضی کو اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنے سے منع کرنا۔ (فساد زمانہ کی وجہ سے یہ حکم ہے)۔

(۸) یہ فتویٰ کہ خاوند اپنی بیوی کو سفر میں ساتھ نہ لے جائے اگرچہ مہر معجّل ادا کر دیا گیا ہو، یہ فساد زمانے کی وجہ سے ہے۔

نوٹ: جہاں اس بات کا خطرہ نہ ہو اور ضرورت ہو تو جائز ہوگا ۱۲ ہزاروی

(۹) اگر کوئی شخص طلاق کی قسم کھانے کے بعد استثنیٰ کا قول کرے تو گواہوں کے بغیر اس کی بات قبول نہیں کی جائے گی حالانکہ یہ ظاہر الروایت کے خلاف ہے اور اس کی وجہ فساد زمان ہے۔

(مطلب یہ کہ اس دور میں لوگ جھوٹ زیادہ بولتے ہیں)

(۱۰) عورت جماع کے بعد یہ دعویٰ کرے کہ جس قدر مہر جلدی ادا کرنے کی شرط تھی اس پر اس نے قبضہ نہیں کیا تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی حالانکہ وہ قبضہ کی منکرہ ہے اور مذہب کا قاعدہ یہ ہے کہ منکر کا قول معتبر ہوتا ہے لیکن عادت یہ ہے کہ عورت مہر معجّل پر قبضہ سے پہلے اپنے نفس کو (خاوند کے) سپرد نہیں کرتی (لہٰذا وہ جھوٹ بول رہی ہے)۔

(۱۱) اسی طرح علماء کرام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کہے "کل حل علیّ حرام" (ہر حلال چیز مجھ پر حرام ہے) تو اس سے طلاق واقع ہو جائے گی (یعنی یہ طلاق کے ساتھ خاص ہے)۔

سوال: مشائخ بلخ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں (ان الفاظ سے) نیت کے بغیر طلاق واقع نہیں ہوگی؟

جواب: یہ ان کے ملک کا عرف ہے لیکن ہمارے (علامہ شامی رحمہ اللہ) کے عرف میں اس سے منکوحہ کا حرام ہونا مراد لیا جاتا ہے۔ لہٰذا اسی پر محمول کیا جائے گا یہ بات علامہ قاسم رحمہ اللہ نے نقل کی ہے اور مختارات النوازل سے منقول ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے کہ عرف میں غالب

استعمال یہی ہے۔

نوٹ: پھر فرمایا کہ میں کہتا ہوں اس سلسلے میں ہمارے شہر میں یہ الفاظ مستعمل ہیں، الطلاق یلزمنی ،والحرام یلزمنی،وعلیّ الطلاق وعلیّ الحرام (یعنی طلاق اورحرام دونوں) ایک معنی میں لئے جاتے ہیں۔

۱۲-اسی طرح یہ مسئلہ ہے کہ باپ یہ دعویٰ کرے کہ اس نے اپنی بیٹی کو جہیز کا مالک نہیں بنایا (بلکہ محض مباح قرار دیا) تو اس کی بنیاد عُرف ہے حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ مملک (لام کے کسرہ کے ساتھ) کا قول معتبر ہوتا ہے۔

۱۳-اسی طرح (تملیک اور عدم تملیک کے بارے میں) مہر کی تاخیر کے دعویٰ میں عورت کا قول معتبر ہوگا حالانکہ منکر کا قول معتبر ہوتا ہے (اور منکر شوہر ہے)

۱۵- آج کے دور میں مزارعت اور معاملہ کے بارے میں صاحبین کا قول مختار ہے اور اس کی وجہ ضرورت اور عموم بلوی ہے، (یعنی جائز قرار دیں گے بخلاف امام اعظم رحمہ اللہ کے قول کے)۔

۱۶-اور جب شفیع ،ایک ماہ تک شفعہ کو موخر کرے (دعویٰ نہ کرے) تو شفعہ ساقط ہوجائے گا تاکہ مشتری سے ضرر کو دور کیا جائے۔

۱۷- حضرت حسن بن زیاد رحمہ اللہ کے قول پر عمل ہوگا کہ اگر آزاد بالغہ عورت غیر کفو میں نکاح کرے تو صحیح نہیں ہوگا۔

۱۸-راستے کے کیچڑ کے بارے میں فقہاء کا یہ فتویٰ ہے کہ ضرورت کے تحت یہ معاف ہے۔

۱۹- بیع وفا اور استصناع (کوئی چیز بنوانا) (ضرورت کے تحت) جائز قرار دے دی گئی (بیع وفا یہ ہے کہ جب تم رقم واپس کروگے تو میں مبیع واپس کردوں گا)۔

۲۰-یہ بتائے بغیر (کہ کتنا پانی پیئے گا) مشکیزے سے پانی پینا۔

۲۱۔ حمام میں ٹھہرنے کی مقدار یا کس قدر پانی استعمال کرے گا بتائے بغیر حمام میں داخل ہونا۔

۲۲۔ گوندھا ہوا آٹا اور روٹی وزن کے بغیر بطور قرض لینا۔

نوٹ۔ ہم نے بطور مثال اجمالی ذکر کیا ان مسائل کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۲ ہزاروی

ان کے علاوہ دیگر کئی مسائل ہیں جو عرف پر مبنی ہیں اور الاشباہ میں بہت سے مسائل مذکور ہیں۔

ان تمام مسائل کے احکام زمانے کی تبدیلی سے بدل گئے اور اس کی وجہ یا تو ضرورت ہے یا عرف یا حالات کے قرائن۔

اور یہ تمام احکام مذہب سے خارج نہیں کیونکہ اگر صاحب مذہب اس زمانے میں ہوتے تو وہ بھی یہی بات فرماتے۔

اور اگر ان کے زمانے میں یہ تبدیلی آتی تو وہ اس کے خلاف حکم نہ دیتے۔

یہ وہ بات ہے کہ مجتہدین فی المذہب اور صحیح نظر رکھنے والے متاخرین نے ان احکام کی مخالفت کی جرأت کی جو ظاہر الروایت کتب میں صاحب المذہب سے منصوص ہیں اور انہوں نے اپنے زمانے کے حالات پر بنیاد رکھی تھی جس طرح اس مسئلہ میں کہ کل حل علیّ حرام میں اس بات کی تصریح بیان ہو چکی ہے کہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ نے اپنے عرف کو بنیاد بنایا (مسئلہ ۱۱ کے تحت سوال و جواب دیکھیں) اور جس طرح ہم نے تعلیم قرآن پر اجارہ کے سلسلے میں بیان کیا ہے۔

سوال:۔ عرف بار بار بدلتا ہے اگر ایسا عرف پیدا ہو جائے جو پہلے دور میں نہیں تھا تو کیا مفتی منصوص کی مخالفت کر کے عرف حادث کی اتباع کر سکتا ہے؟

جواب:۔ جی ہاں! کیونکہ وہ متاخرین جنہوں نے مذکورہ بالا مسائل میں منصوص کی مخالفت کی تو وہ اس عرف کی بنیاد پر کی جو امام صاحب رحمہ اللہ کے زمانے کے بعد ظاہر ہوا تو مفتی

کے لئے الفاظ عرفیہ میں نئے عرف کی اتباع جائز ہے اسی طرح مجتہد نے اپنے زمانے کے عرف پر جن مسائل کی بنیاد رکھی پھر وہ عرف دوسرے عرف میں بدل گیا تو ان کی اقتداء میں مفتی نئے عرف کے مطابق فتویٰ دے سکتا ہے۔

سوال:۔ کیا ہر مفتی کے لئے جائز ہے کہ وہ پہلے عرف کو چھوڑ کر اپنے زمانے کے عرف پر عمل کرے یا مفتی کے لئے کوئی شرط بھی ہے؟

جواب:۔جی نہیں! بلکہ یہ اس وقت جائز ہے جب مفتی صحیح رائے اور صحیح نظر رکھتا ہو نیز اسے قواعد شرع کی معرفت بھی حاصل ہو یہاں تک کہ وہ اس عرف جس پر احکام کی بنیاد رکھنا جائز ہے اور دوسرے عرف میں امتیاز کر سکے۔ کیونکہ متقدمین علماء نے مفتی کے لئے اجتہاد کی شرط رکھی ہے۔

سوال:۔ آج کے دور میں یہ شرط مفقود ہے تو اب کیا صورت ہوگی؟

جواب:۔یقیناً آج کے دور میں اجتہاد کی شرط پر عمل نہیں ہوسکتا لیکن کم از کم یہ شرط ضروری ہے کہ وہ مسائل کی ان شروط وقیود کے ساتھ معرفت رکھتا ہو جن میں اکثر کو انہوں نے ساقط کردیا وہ ان میں سے اکثر شرائط کا صراحتاً ذکر نہیں کرتے کیونکہ وہ فقہ حاصل کرنے والے پر اعتماد کرتے ہیں۔اسی طرح مفتی پر لازم ہے کہ اپنے زمانے کے عرف اور لوگوں کے احوال کی معرفت رکھتا ہو نیز وہ کسی ماہر استاذ سے تربیت حاصل کرے۔

یہی وجہ ہے کہ منیۃ المفتی کے آخر میں فرمایا کہ اگر کوئی شخص ہمارے اصحاب (احناف) کی تمام کتب زبانی یاد کرلے تو بھی اسے فتویٰ کے لئے (کسی ماہر مفتی کی) شاگردی اختیار کرنی چاہئے حتی کہ اسے فتویٰ کی راہنمائی حاصل ہو جائے کیونکہ اکثر مسائل کا جواب اہل زمانہ کے عرف کے مطابق دیا جاتا ہے جب تک وہ شریعت کے خلاف نہ ہو۔

سوال:۔عرف کو چھوڑ کر ظاہر المذہب پر فتوی دینے کے حوالے سے مزید وضاحت کریں اور مثال بھی ذکر کریں۔

جواب:۔القنیہ میں ہے کہ مفتی اور قاضی کے لئے جائز نہیں کہ وہ عرف کو چھوڑ کر ظاہر المذہب پر فیصلہ کریں (اور فتویٰ دیں) اسی طرح الاشباہ میں بزازیہ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ مفتی اس کے ساتھ فتویٰ دے جو اس کے نزدیک مصلحت پر مبنی ہو۔علامہ شامی رحمہ اللہ نے ردالمحتار، باب القسامۃ، میں لکھا ہے کہ اگر ولی کسی ایسے شخص پر (قتل کا) دعویٰ کرے جو اس کا محلّہ دار نہیں ہے اور ان لوگوں میں سے ہی دو آدمی اس کے خلاف گواہی دیں تو حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک یہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی اور صاحبین کے نزدیک قبول کی جائے گی۔

سید حموی رحمہ اللہ، علامہ مقدسی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں میں نے امام اعظم رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دینے میں توقف کیا اور میں اس کی اشاعت سے رک گیا کیونکہ اس قول پر فتویٰ کی بنیاد پر ضرر عام تھا کیونکہ شرپسند لوگوں میں سے جو اس قول کو جان لے گا تو وہ ایسے محلّہ میں جو وہاں کے رہائشی لوگوں سے خالی ہوگا۔قتل انسانی پر جرأت کرے گا کیونکہ وہ اس بات پر اعتماد کرے گا کہ اس کے خلاف ان لوگوں کی گواہی قبول نہیں ہوگی۔فرماتے ہیں حتیٰ کہ میں نے (توقف کے بعد) کہا کہ صاحبین کے قول پر فتویٰ دینا مناسب ہے خصوصاً جب زمانے کے اختلاف سے احکام بدلتے رہتے ہیں۔

سوال:۔اگر روزہ دار اپنے دانتوں میں موجود گوشت نگل جائے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا یہ بات فتح القدیر میں ہے۔وہ فرماتے ہیں زیادہ گوشت ہو تو ٹوٹ جائے جبکہ امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں ٹوٹ جائے گا فرق کی وجہ کیا ہے؟

جواب:۔ تحقیق یہ ہے کہ مفتی کو پیش آمدہ واقعات میں کچھ نہ کچھ اجتہاد اور لوگوں کے احوال کی معرفت ہونی چاہیے اور یہ بات معروف ہے کہ کفارہ، کمال جنایت کی بنیاد پر ہوتا ہے لہٰذا جس شخص کو یہ واقعہ پیش آیا اسے دیکھا جائے اگر اس کی طبیعت اس سے گھن (نفرت) محسوس کرتی ہے تو حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر عمل کیا جائے یعنی (تھوڑے گوشت کی صورت میں) روزہ نہیں ٹوٹے گا (کیونکہ وہ لذت کے لئے نہیں کھاتا) اور اگر اس کے ہاں

اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا تو امام زفر رحمہ اللہ کے قول پر عمل کیا جائے گا۔

سوال :۔ بعض اوقات فقہاء کرام کسی ترجیح کے بغیر متعدد اقوال نقل کرتے ہیں اور بعض اوقات تصحیح میں اختلاف ہوتا ہے تو اس صورت میں کیا کیا جائے؟

جواب :۔اس صورت میں اس کی مثل پر عمل کریں جو ان کو تغیر عرف ،احوال الناس، لوگوں کے لئے زیادہ مناسب ہونے کے اعتبار سے معلوم ہو جس پر لوگوں کو تعامل ظاہر ہو اور جس کے دلائل قوی ہوں۔اور ایسے لوگوں کا وجود ممکن ہے جو حقیقتاً ان اقوال میں امتیاز کر سکیں اور جو ان کے درمیان تمیز نہ کر سکے وہ اس کی طرف رجوع کرے جو تمیز کر سکتا ہے تا کہ وہ اپنی ذمہ داری کو پورا کر سکے۔

یہ سوال و جواب علامہ قاسم رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔

سوال :۔اگر عرف ،شریعت کے خلاف ہو تو کیا کیا جائے؟

جواب : مندرجہ بالا تمام بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عرف پر عمل اس وقت کیا جائے گا جب وہ شریعت کے خلاف نہ ہو جیسے (ناجائز) ٹیکس اور سود وغیرہ۔لہٰذا مفتی اور قاضی بلکہ مجتہد پر لازم ہے کہ وہ لوگوں کے حالات سے آگاہ ہوں اور فقہاء کرام فرماتے ہیں جو شخص اپنے زمانے کے لوگوں (کے حالات) سے بے خبر ہے وہ جاہل ہے۔اور اس سے پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ مفتی قضاء سے متعلق مسائل کے بارے میں حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دے کیونکہ آپ کو واقعات کا تجربہ تھا اور آپ لوگوں کے حالات سے واقف تھے البحر میں امام کردری رحمہ اللہ کی کتاب مناقب میں امام محمد رحمہ اللہ سے نقل کیا گیا کہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ رنگریزوں کے پاس تشریف لے جاتے اور ان کے معاملات کے بارے میں پوچھ گچھ کرتے تھے۔

سوال :۔ کہا گیا ہے کہ اگر زمین میں اعلیٰ چیز اُگانے کی طاقت کے باوجود ادنیٰ کی کاشت کرے تو اس پر اعلیٰ کا خراج واجب ہو گا لیکن اس پر فتویٰ نہ دیا جائے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب:۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح ظالم لوگ لوگوں کے مال لینے پر جرأت کریں گے۔اس پر یہ اعتراض ہوا کہ کسی بات کو چھپانا کیسے جائز ہوگا اگر وہ اعلیٰ کا خراج وصول کریں تو یہ اپنی جگہ درست ہے کیونکہ یہ واجب ہے۔اس کا جواب یوں ہے کہ اگر ہم یہ فتویٰ دیں تو ہر ظالم ایسی زمین پر اس کا دعویٰ کرے گا جس کی حالت ایسی نہیں کہ پہلے اس میں مثلاً زعفران کی کاشت ہوتی تھی تو وہ اس کا خراج وصول کرے گا اور یہ ظلم اور زیادتی ہے فتح القدیر میں اسی طرح ہے۔

تو علماء کرام فرماتے ہیں اس پر فتویٰ نہ دے کیونکہ اس میں مسلمانوں کے مالوں پر ظالموں کا تسلط ہوگا کیونکہ ہر ظالم یہ دعویٰ کرے گا کہ یہ زمین زعفران وغیرہ کاشت کی صلاحیت رکھتی ہے اور اس کا علاج مشکل ہو جائے گا۔

سوال:۔اس سے کیا ظاہر و ثابت ہوا؟

جواب:اس سے ثابت ہوا کہ مفتی یا قاضی کا ظاہر المنقول پر جمود اور عرف اور واضح قرائن کو چھوڑ دینا اور لوگوں کی حالات سے آگاہی حاصل نہ کرنا بہت سے حقوق کو ضائع کرنا اور بے شمار مخلوق پر ظلم کرنا ہے۔

سوال:۔عرف کی اقسام اور ان کے احکام ذکر کریں؟

جواب:۔عرف کی دو قسمیں ہیں:

(۱)عرف عام (۲)عرف خاص

عرف عام وہ ہے جس سے حکم عام ثابت ہو اور وہ قیاس اور اثر (حدیث) کا مخصص ہو سکے بخلاف عرف خاص کے اس سے حکم خاص ثابت ہوتا ہے جب تک وہ قیاس اور اثر کے خلاف نہ ہو کیونکہ یہ مخصص بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

سوال:۔تعامل کے ذریعے اثر کو ترک کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔تعامل کے ذریعے اثر میں تخصیص ہو سکتی ہے اسے بالکل ترک نہیں کیا جا سکتا۔

الذخیرہ کی آٹھویں فصل جو اجاروں سے متعلق ہے اس میں مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص کپڑا بننے والے (حائک) کو دھاگہ دے کہ وہ اس میں تیسرا حصہ (بطور اجرت) لے کر باقی کا کپڑا بن دے۔ تو مشائخ بلخ جیسے نصیر بن یحییٰ اور محمد بن سلمہ وغیرہ (رحمہم اللہ) کپڑوں میں اس اجارہ کو جائز قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کے علاقہ میں کپڑوں کے معاملے میں لوگوں کا تعامل یہی تھا۔ اور تعامل ایسی دلیل ہے جس کے ذریعے قیاس کو چھوڑا جا سکتا ہے اور اثر میں تخصیص ہو سکتی ہے۔

سوال:۔ قفیز الطحان کا کیا مطلب ہے اور اس میں اور حائک والے مسئلہ میں کیا فرق ہے؟

جواب:۔ طحان چکی پیسنے والا اور قفیز گندم کا ایک پیمانہ ہے مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص طحان سے کہے کہ اس گندم سے ایک قفیز لے لو اور باقی کا آٹا پیس دو تو یہ ممنوع ہے اور اس سلسلے میں نص (حدیث شریف) وارد ہے۔ جب کہ کوئی شخص کپڑا بننے والے کے پاس دھاگہ لے جائے اور کہے کہ اس کا تہائی اجرت میں رکھ لو اور باقی کا کپڑا بن دو تو یہ عبارۃ النص سے ثابت نہیں بلکہ قفیز والے مسئلہ کی نظیر ہے لہذا دلالتاً ثابت ہے تو جب اس دلالت النص سے ثابت ہونے والے مسئلہ پر عمل چھوڑ دیا اور قفیز الطحان والے مسئلہ پر عمل کیا تو یہ تخصیص ہے ترک نہیں اور تعامل (لوگوں کے عمل) کے ساتھ نص میں تخصیص جائز ہے۔

سوال:۔ اس کی کوئی مثال ذکر کریں کہ تعامل کی وجہ سے نص میں تخصیص کی گئی ہو؟

جواب:۔ حدیث شریف میں اس چیز کی بیع سے منع کیا گیا جو انسان کے پاس نہ ہو لیکن استصناع (کوئی چیز جوتا وغیرہ بنوانا) تعامل کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا اور یہ جواز نص میں تخصیص ہے اس سے مراد وہ نص ہے جس میں اس چیز کی بیع سے منع کیا گیا ہے جو انسان کے پاس نہ ہو یہاں نص کو بالکل ترک نہیں کیا گیا کیونکہ استصناع کے علاوہ میں نص پر عمل کیا جاتا ہے۔

سوال:۔ اگر کسی علاقہ کے لوگ قفیز الطحان والے مسئلہ پر تعامل کریں تو یہ بھی تخصیص ہو گی تو کیا وجہ ہے کہ اس مسئلہ میں فقہاء کرام اجازت نہیں دیتے؟

جواب:- تعامل سے مراد یہ ہے کہ تمام شہروں میں یہ تعامل ہو جیسے استصناع کے مسئلہ میں ہے اگر کسی ایک شہر کے لوگوں کا تعامل معتبر ہو تو یہ نص کو مکمل طور پر ترک کرنا ہوگا جبکہ تعامل کے ذریعے نص میں تخصیص ہوسکتی ہے اسے ترک کرنا جائز نہیں لیکن یہاں علماء کرام نے تخصیص کو جائز قرار نہیں دیا کیونکہ یہ ایک شہر کا تعامل ہے اور ایک شہر کے لوگوں کا تعامل حدیث کا مخصص نہیں ہوسکتا اس لئے کہ اگر ایک شہر کا تعامل تخصیص کا مقتضیٰ ہو تو دوسرے شہر کا ترک تعامل تخصیص کو منع کرے گا تو شک کی وجہ سے تخصیص ثابت نہیں ہوگی بخلاف استصناع کے کہ وہ تمام شہروں کا تعامل ہے (یہ تمام بحث ذخیرہ میں مذکورہ ہے)۔

سوال:- عرف عام اور عرف خاص کے اعتبار میں کیا فرق ہے؟

جواب:- اگر عرف عام (تعامل عام) سے نص کا ترک لازم آئے تو وہ معتبر نہیں ہوگا یہ اس وقت معتبر ہوگا جب اس سے تخصیص نص لازم آئے۔

عرف خاص دونوں جگہ (ترک نص اور تخصیص نص دونوں میں) معتبر نہیں یہ صرف اپنے اہل کے حق میں معتبر ہے جب اس سے نص کا ترک اور تخصیص لازم نہ آئے اگرچہ وہ ظاہر الروایت کے خلاف ہو اس کی مثال وہ الفاظ ہیں جو قسموں اور عقود میں بطور عادت وعرف جاری ہیں عقود سے مراد بیع اور اجارہ وغیرہ ہیں۔ کیونکہ یہ الفاظ اور عقود ہر شہر میں وہاں کے رہنے والوں کی عادت کے مطابق جاری ہوتے ہیں۔ اور اس سے مراد وہ الفاظ ہیں جو ان کے درمیان معتاد ہیں (ان کی عادت جاری ہے) اور وہ ان کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں دوسرے لوگ ان کو استعمال نہیں کرتے اور ان الفاظ سے صحت، فساد، حرام اور حلال کا ثبوت ہوتا ہے۔ اگرچہ فقہاء کرام واضح الفاظ میں فرمائیں کہ ان الفاظ کا مقتضیٰ، عرف کے تقاضے کے خلاف ہے۔ کیونکہ متکلم اپنے عرف اور عادت کے مطابق کلام کرتا ہے اور اپنے کلام سے وہی مراد لیتا ہے وہ مراد نہیں لیتا جو فقہاء کرام لیتے ہیں۔ کیونکہ ہر شخص اپنی مراد کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اور عرفیہ الفاظ، اصطلاحی حقائق ہوتے ہیں اور ان کے ذریعے اصلی معنیٰ مجاز لغوی کی طرح ہو جاتا ہے۔

سوال:۔ مطلق کلام، عرف کی طرف پھیرا جاتا ہے اس کی دلیل کیا ہے؟

جواب:۔ جامع الفصولین میں فرمایا گیا ہے کہ

مطلق الکلام فیما بین الناس ینصرف الی المتعارف

لوگوں کے درمیان مطلق کلام اسی (معنیٰ) کی طرف پھیرا جائے گا جو ان کے ہاں متعارف ہے۔

اور فتاویٰ علامہ قاسم رحمہ اللہ میں ہے:

التحقیق ان لفظ الواقف والوصی والحالف والناذر وکل عاقد یحمل علی عادتہ فی خطابہ ولغتہ اللتی یتکلم بھا وافقت لغۃ العرب ولغۃ الشارع اولا

تحقیق یہ ہے کہ لفظ واقف، وصی، حالف، ناذر اور ہر عاقد اس کی عادت کی طرف پھیرا جائے گا۔ جو اس کے اپنے خطاب میں ہے اور اس کی اس لغت کی طرف پھیرا جائے گا جس کے ساتھ وہ کلام کرتا ہے وہ لغت عرب اور شارع کی لغت کے موافق ہو یا نہ۔

سوال:۔ ضعیف قول پر فتویٰ دینا یا عمل کرنا کیسا ہے؟

جواب:۔ علامہ قاسم رحمہ اللہ نے فرمایا،

(۱) مرجوح قول پر فیصلہ یا فتویٰ دینا خلاف اجماع ہے

(۲) راجح قول کے مقابلہ میں مرجوح قول معدوم کی طرح ہوتا ہے

(۳) جب چند اقوال باہم مقابل ہوں تو مرجح کے بغیر کسی ایک قول کو ترجیح دینا ممنوع ہے۔

(۴) جو شخص اس بات پر اکتفاء کرے کہ کسی مسئلہ میں اس کا فتویٰ یا عمل کسی بھی قول یا وجہ کے موافق ہو اور مختلف اقوال اور وجوہ میں سے جس پر چاہے عمل کرے اور ترجیح کو نہ دیکھے تو وہ جاہل ہے اور اجماع کو توڑنے والا ہے۔

سوال:۔ مرجوح قول پر عمل کے بارے میں احناف اور شوافع کے درمیان کیا اختلاف

ہے؟

جواب:۔اس بات پر تو سب متفق ہیں کہ مرجوح قول پر فتویٰ دینا اجماع کے خلاف ہے لیکن کسی شخص کا اس پر ذاتی طور پر عمل کرنا امام شافعی کے نزدیک جائز ہے۔یہ بات علامہ سبکی رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ کی بحث الوقف میں ذکر کی ہے جب کہ احناف کے نزدیک مرجوح قول پر عمل کرنا بھی منع ہے کیونکہ مرجوح قول منسوخ ہوتا ہے۔

سوال:۔احناف کی تعلیل کہ مرجوح قول منسوخ ہوتا ہے کیسے درست ہوگی جب کہ منسوخ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کسی مسئلہ میں دو قول ہوں اور مجتہد ان میں سے کسی ایک سے رجوع کرے یا دونوں میں سے کسی ایک کا متاخر ہونا معلوم ہو تو پہلا قول یا جس سے رجوع کیا منسوخ ہوگا ورنہ نہیں۔جس طرح ایک مسئلہ میں ایک قول حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا اور دوسرا قول امام محمد رحمہ اللہ کا ہو تو اس میں نسخ ظاہر نہیں ہوگا؟

جواب:۔یہاں منسوخ سے مراد یہ ہے کہ جب ان دو قولوں میں سے ایک قول صحیح قرار دیا جائے تو دوسرا قول منسوخ کی طرح ہوگا۔علامہ قاسم رحمہ اللہ نے جو فرمایا کہ مرجوح قول راجح قول کے مقابلے میں معدوم کی طرح ہوتا ہے اس کا بھی یہی مطلب ہے۔

سوال:۔علامہ سبکی رحمہ اللہ کے اس قول کی وضاحت کیجئے جس میں انہوں نے فرمایا کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مرجوح قول پر (مفتی کا) خود عمل کرنا جائز ہے حالانکہ یہ بات علامہ قاسم رحمہ اللہ کے قول کے خلاف ہے اور علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ مرجوح قول پر فتویٰ دینا اور عمل کرنا دونوں ممنوع ہیں؟

جواب:۔یہاں عمل سے مراد فتویٰ اور قضاء ہے یہ جواب (عقل سے) بعید ہے زیادہ ظاہر جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص خواہشات کے تحت جب چاہے کسی قول پر عمل کرے یہ ممنوع ہے اگر ضرورت کے تحت بعض اوقات ضعیف (اور مرجوح) قول پر عمل کرے تو ممنوع نہیں ہے۔

نوٹ:احناف کا جو موقف بیان کیا گیا کہ ان کے نزدیک مرجوح قول پر عمل بھی جائز نہیں اس سے مراد بھی یہی ہے مطلق عمل منع نہیں۔

سوال:۔احناف کی اس توجیہ پر کوئی مثال ذکر کریں؟

جواب:۔ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول ہے کہ کسی شخص کو محسوس ہو رہا ہو کہ اسے احتلام ہو رہا ہے اور وہ اپنے عضو تناسل کو پکڑ کر (انزال کو) روک دے یہاں تک کہ شہوت ختم ہو جائے پھر اسے چھوڑ دے تو اس پر غسل واجب نہیں۔ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا یہ قول مذہب میں راجح قول کے خلاف ہے لیکن فقہاء کرام نے مسافر اور مہمان جس کو ڈر ہو کہ اس پر شک کیا جائے گا، حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر عمل کی اجازت دی ہے کیونکہ یہاں ضرورت ہے۔

سوال:۔اس سلسلے میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے زخم سے نکلنے والے خون کی مثال دی ہے اس کی وضاحت کریں؟

جواب:۔اگر زخم سے خون نکلے یا آبلہ (چھالا) کا چمڑا اتارا جائے اور نیچے خون ظاہر ہو تو مسئلہ یہ ہے کہ اگر وہ ایسی جگہ کی طرف بہتا ہے جس کو پاک کرنے کا حکم ہے تو وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر وہ محض ظاہر ہو اور بہتا نہ ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔

صاحب ہدایہ امام مرغینانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مختارات النوازل کی فصل النجاسۃ میں لکھا ہے کہ جب زخموں سے خون تھوڑا تھوڑا کر کے نکلے اور بہنے والا نہ ہو تو یہ (طہارت میں) مانع نہیں اگرچہ زیادہ ہو اور کہا گیا ہے کہ اگر اس حالت میں ہو کہ اگر چھوڑنے سے بہہ جائے تو طہارت میں مانع ہے پھر انہوں نے نواقض وضو میں دوبارہ یہ مسئلہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تھوڑا خون نکلے اور اسے کسی کپڑے سے صاف کرے حتی کہ جب چھوڑ دے تو جاری ہو جائے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔

علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک اور نسخہ میں بھی میں نے یہ عبارت دیکھی اور یہ

بات مخفی نہیں کہ عام کتب مذہب میں دوسرا قول ہے جو قیل (کہا گیا ہے) کے ساتھ منقول ہے یعنی وضو ٹوٹ جائے گا۔

علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام مرغینانی رحمہ اللہ نے جو پہلا قول مختار قرار دیا ہے تو یہ بات ان سے پہلے اور بعد میں کسی نے نہیں کہی لہٰذا یہ قول شاذ ہے لیکن چونکہ امام مرغینانی جلیل القدر امام ہیں اور اصحاب ترجیح وتصحیح کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا معذور شخص کے لئے ضرورت کے وقت اس مسئلہ میں ان کی تقلید جائز ہے کیونکہ اس میں معذور لوگوں کے لئے بہت بڑی وسعت ہے۔ جس طرح میں نے اپنے رسالہ الاحکام المخصصۃ بکیّ الحمّصۃ (زخم کو داغنے کے خاص احکام) میں بیان کیا ہے۔

سوال:۔ اس مسئلہ میں علامہ شامی رحمہ اللہ نے اپنا واقعہ لکھا ہے اس کی وضاحت کریں نیز آپ کے تقویٰ کے حوالے سے کیا لکھا گیا ہے؟

جواب:۔ آپ فرماتے ہیں میں ایک عرصے تک زخم کے داغ میں مبتلا رہا اور میری نماز مشقت کے بغیر اسی قول (علامہ مرغینانی رحمہ اللہ کے شاذ قول) پر درست ہوسکتی تھی کیونکہ جو خون نکلتا تھا وہ اگرچہ قلیل تھا لیکن چھوڑنے سے بہہ جاتا تھا اور مشہور قول کے مطابق وہ ناپاک بھی تھا اور ناقض وضو بھی، جبکہ بعض کا قول اس کے برعکس ہے لیکن اس وجہ سے آدمی معذور قرار نہیں پاتا کیونکہ دھونے اور پٹی باندھنے سے عذر زائل ہوجاتا ہے۔ جس طرح چمڑا اس کو جاری ہونے سے روکتا ہے اور میں ایسا کرتا رہا لیکن مشقت اور زیادہ حرج تھا تو میں (علامہ مرغینانی رحمہ اللہ کے) اس قول پر عمل کرنے پر مجبور ہوگیا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے مجھے اس زخم سے نجات دے دی تو میں نے اس عرصہ کی تمام نمازیں دوبارہ پڑھیں (اللہ تعالیٰ کے لئے ہی حمد وشکر ہے) یہ واقعہ علامہ شامی رحمہ اللہ کے تقویٰ پر واضح دلیل ہے۔

سوال:۔ اس تمام بحث کا خلاصہ کیا ہے؟

جواب:۔ اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص حالت اضطرار میں ہو وہ مرجوح

(یا ضعیف) قول پر عمل کر سکتا ہے اور ایسے شخص کے لئے مفتی بھی فتویٰ دے سکتا ہے اور گزشتہ سطور میں جو کہا گیا کہ ضعیف قول پر عمل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی فتویٰ دیا جا سکتا ہے تو یہ ضرورت کے غیر مقام پر محمول ہے۔

سوال:۔ علامہ شامی رحمہ اللہ نے کسی مسلمان پر کفر کا فتویٰ لگانے کے بارے میں کیا فرمایا؟

جواب:۔ آپ فرماتے ہیں ضرورت کے ساتھ یہ مسئلہ بھی ملحق ہے کہ جس مسلمان کے کفر میں اختلاف ہو اگر چہ ضعیف روایت ہو اس پر کفر کا فتویٰ نہ لگایا جائے فقہاء کرام نے تو صحیح قول کی بنیاد پر بھی ایسا فتویٰ دینے سے اعراض کیا ہے کیونکہ کفر بہت بڑا جرم ہے

سوال:۔ کیا کوئی شخص ضعیف روایت پر خود عمل کر سکتا ہے؟

جواب:۔ جی ہاں! کر سکتا ہے اور یہ اس صورت میں ہے جب اصحاب رائے میں سے ہو عام انسان کے بارے میں علامہ بیری رحمہ اللہ شارح الاشباہ فرماتے ہیں میں نے یہ مسئلہ کہیں نہیں دیکھا لیکن ذی رائے کی قید کا مقتضیٰ یہ ہے کہ عام شخص کے لئے جائز نہیں۔ خزانۃ الروایات میں ہے کہ جو عالم نصوص اور اخبار (قرآن پاک اور احادیث) کے معنیٰ کی معرفت رکھتا ہے اور وہ اہل درایت میں سے ہے تو اس کے لئے ضعیف قول پر عمل جائز ہے اگر چہ اس کے مذہب کے خلاف ہو تو ذی رائے یعنی مجتہد فی المذہب کی قید سے عام آدمی خارج ہو گیا لہٰذا اس پر اس قول کی اتباع لازم ہے جسے فقہاء نے صحیح قرار دیا البتہ ضرورت کے مقام پر ضعیف پر عمل کر سکتا ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

سوال:۔ یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ مفتی مجتہد کے لئے ان مسائل سے عدول جائز نہیں جن پر حضرت امام ابو حنیفہ اور آپ کے شاگردوں رحمہم اللہ کا اتفاق ہے اس لئے وہ اپنے اجتہاد پر فتویٰ نہیں دے سکتا کیونکہ ان حضرات نے دلائل کو پہچانا اور صحیح ثابت اور اس کے غیر میں امتیاز کیا اور اس مجتہد مفتی کا اجتہاد ان کے اجتہاد کو نہیں پہنچ سکتا یہ بات فتاویٰ خانیہ کے حوالے سے

گزر چکی ہے؟

جواب:۔یہ بات اس کے لئے ہے جو اپنے غیر کو فتویٰ دے اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اسے معلوم ہو گیا کہ ان اکابر کا اجتہاد اقویٰ ہے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ اپنے ضعیف ترین اجتہاد کو عام لوگوں کے مسائل کی بنیاد بنائے۔ یا اس کی وجہ یہ ہے کہ سائل اس کے پاس اس امام کے مذہب کے مطابق فتویٰ لینے آیا جس کا وہ مفتی مقلد ہے لہٰذا اس پر لازم ہے کہ وہ اس مذہب کے مطابق فتویٰ دے جس کے بارے میں مستفتی اس سے فتویٰ لینے آیا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت قاسم رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں نقل کیا کہ آپ سے ایسے واقف (وقف کرنے والے) کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے وقف میں تبدیلی کی شرط رکھی تھی اور اس نے وقف اپنی بیوی کے لئے کر دیا۔تو آپ نے فرمایا میں اس سلسلے میں اپنے علماء کی کتب سے کسی بات پر آگاہ نہیں ہوا اور مفتی وہی بات نقل کر سکتا ہے جو ان کے ہاں ان اہل مذہب سے صحیح ثابت ہو جن کے مذہب پر وہ فتویٰ دیتا ہے اور مستفتی اس سے اس کے بارے میں پوچھتا ہے جو اس کے ائمہ مذہب کا قول ہے اس کے بارے میں نہیں جو اس پر روشن ہوا۔

اسی طرح کا قول شافعی مذہب کے ایک امام حضرت قفال رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ جب کوئی شخص ان کے پاس آ کر (غلہ کے) ڈھیر کے سودے کے بارے میں پوچھتا تو وہ فرماتے تم مجھ سے میرے مذہب کے بارے میں پوچھتے ہو یا امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کے بارے میں۔ وہ بعض اوقات یوں فرماتے اگر میں اجتہاد کروں اور میرا اجتہاد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اجتہاد کے موافق ہو اور میں کہوں کہ شافعی مذہب اس طرح ہے لیکن میرا قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق ہے لیکن وہ میرے پاس حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق فتویٰ لینے آیا لہٰذا ضروری ہے کہ میں اسے بتا دوں کہ میں اس کے غیر کے ساتھ فتویٰ دیتا ہوں۔

سوال:۔ کیا مجتہد مفتی، ذاتی عمل میں بھی اپنے اجتہاد کو اختیار نہیں کر سکتا؟

جواب:۔اپنے ذاتی عمل میں اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے اجتہاد پر عمل کرے۔

خزانۃ الروایات میں ہے:

"اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس (اپنے اجتہاد) پرعمل کرے اگر چہ اس کے مذہب کے مخالف ہو۔"

یہی وجہ ہے کہ محقق ابن الھمام رحمہ اللہ نے کئی مسائل جو ان کے مذہب سے خارج اختیار کیے اور بعض اوقات انہوں نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح دی اور فرمایا میں اسے اختیار کرتا ہوں۔ لہٰذا جن مسائل میں مجتہد مفتی اجتہاد پر قادر نہیں ان میں اس پر تقلید لازم ہے۔

سوال:۔ کیا قاضی ضیعف قول یا غیر کے مذہب کے مطابق فیصلہ کرسکتا ہے؟

جواب:۔علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں قاضی نہ تو ضعیف قول کے مطابق فیصلہ کرسکتا ہے اور نہ ہی غیر کے مذہب کے مطابق فیصلہ کرسکتا ہے۔

علامہ قاسم رحمہ اللہ نے حضرت ابوالعباس احمد بن ادریس رحمہ اللہ سے نقل کیا ان سے سوال کیا گیا کہ کیا حاکم پر واجب ہے کہ وہ صرف اسی کے مطابق فیصلہ کرے جو اس کے نزدیک راجح قول ہے جس طرح مفتی اسی قول کے مطابق فتویٰ دے سکتا ہے جو اس کے نزدیک راجح ہے یا وہ دو قولوں میں سے کسی ایک قول کے مطابق فیصلہ دے سکتا ہے اگر چہ وہ اس کے نزدیک راجح نہ ہو۔ انہوں نے جواب میں فرمایا اگر حاکم مجتہد ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس قول کے مطابق فیصلہ کرے اور فتویٰ دے جو اس کے نزدیک راجح ہے اور اگر مقلد ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ اپنے مذہب کے قول کے مطابق فتویٰ دے اور فیصلہ کرے اگر چہ وہ اس کے نزدیک راجح نہ ہو وہ جس قول کے ساتھ فیصلہ کررہا ہے اس میں اپنے اس امام کو ترجیح دے جس کا وہ مقلد ہے جس طرح وہ فتویٰ دینے میں اس کی تقلید کرتا ہے فتویٰ دینے اور فیصلہ کرنے میں اپنی خواہش کی اتباع کرنا حرام ہے اس پر اجماع اور مرجوح قول کے مطابق فیصلہ کرنا اور فتویٰ دینا اجماع کے خلاف ہے۔

سوال:۔اگر قاضی اجتہادی مسئلہ میں اپنے رائے کے خلاف فیصلہ کرے تو وہ نافذ ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔اگر قاضی مجتہد ہو اور وہ اجتہادی مسئلہ میں اپنی رائے کے خلاف فیصلہ کرے تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر اپنے مذہب کو بھولنے کی صورت میں ایسا کیا تو حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ فیصلہ نافذ ہو جائے گا اور اگر جان بوجھ کر ایسا کیا تو اس سلسلے میں آپ سے دو روایتیں ہیں جبکہ صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں نافذ نہیں ہوگا اور ترجیح میں اختلاف ہے۔فتاویٰ خانیہ میں ہے حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے دو روایتوں میں سے زیادہ ظاہر روایت یہ ہے کہ اس کا فیصلہ نافذ ہو جائے گا اور اسی پر فتویٰ ہے۔فتاویٰ صغریٰ میں بھی اسی طرح ہے جب کہ المعراج میں المحیط کی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے ھدایہ میں بھی اسی طرح ہے۔فتح القدیر میں ہے کہ فتویٰ کے بارے میں اختلاف ہے لیکن اس زمانے میں صاحبین کے قول پر فتویٰ مناسب ہے کیونکہ جو شخص جان بوجھ کر اپنے مذہب کو چھوڑتا ہے وہ باطل خواہش کے تحت ایسا کرتا ہے کسی اچھے مقصد کے لئے ایسا نہیں کرتا۔اور جہاں تک بھولنے والے کا تعلق ہے تو مقلد نے اسی لئے تقلید کی تھی کہ وہ اپنے امام کے مذہب پر فیصلہ کرے گا کسی اور کے مطابق نہیں۔

نوٹ: یہ تمام باتیں مجتہد قاضی کے بارے میں ہیں مقلد کو اس لئے حاکم مقرر کیا گیا کہ وہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق فیصلہ کرے اس لئے وہ اس کے خلاف فیصلہ نہیں کر سکتا اس وجہ سے وہ معزول ہو جائے گا۔

سوال:۔اگر قاضی کسی دوسرے مذہب کے مطابق فیصلہ کرے تو نافذ ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔اس سلسلے میں مشائخ میں اختلاف ہے اور القنیہ میں محیط وغیرہ سے نقل کیا گیا کہ اختلاف اس صورت میں ہے جب مجتہد قاضی اپنی رائے کے خلاف فیصلہ کرے اور مقلد قاضی اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کرے تو وہ نافذ نہیں ہوگا فتح القدیر میں اور علامہ قاسم کی تصحیح میں اسی

طرح ہے۔ درمختار میں ہے کہ خاص طور پر ہمارے زمانے میں جب بادشاہ نے اپنے منشور میں ضعیف اقوال کے ساتھ فیصلہ کرنے سے منع کیا تو اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کیسے درست ہوگا لہذا اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا بلکہ وہ فیصلہ ٹوٹ جائے گا اور وہ قاضی معزول ہو جائے گا کیونکہ اس نے اپنے مذہب پر اعتماد نہیں کیا اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ضعیف قول قاضی کے فیصلے سے قوی ہو جاتا ہے تو اس سے مجتہد کا فیصلہ مراد ہے۔

الحمدللہ ! شرح عقود رسم المفتی کا اردو خلاصہ سوال وجواب کے صورت آج مورخہ ۱۴ شعبان المعظم ۱۴۳۸ھ شب برأت کے مبارک موقعہ پر مکمل ہوا۔

محمد صدیق ہزاروی سعیدی الازہری

جامعہ ہجویریہ لاہور 11 مئی 2017

اجلی الاِعلام ان الفتویٰ مطلقا علی قول الامام

(امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمہ اللہ)

چند مقدمات

پہلا مقدمہ:۔

کسی قول کی نقل وحکایت اور کسی قول پر افتاء دونوں ایک نہیں ہم ایسے بہت سے اقوال بیان کرتے ہیں کہ جو ہمارے مذہب سے باہر کے ہیں اور کسی کے وہم میں بھی نہیں ہوتا کہ ہم ان اقوال پر فتویٰ دیتے ہیں۔

افتاء کی تعریف:۔

افتاء یہ ہے کہ کسی کی بات پر اعتماد کر کے سائل کو بتایا جائے کہ تمہاری مسئولہ صورت میں حکم شریعت یہ ہے۔

افتاء کے لیے ضروری بات:۔

کسی کے لیے فتویٰ دینا جائز نہیں جب تک اسے کسی دلیل شرعی سے اس حکم کا علم نہ ہو ورنہ محض اندازے سے بتانا شریعت پر افتراء ہوگا۔

دوسرا مقدمہ:۔

دلیل کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) تفصیلی دلیل (۲) اجمالی دلیل

(۱) تفصیلی دلیل:۔

اس سے آگاہی صرف اہل نظر واجتہاد کا خاص حصہ ہے دوسرے کو اگر کسی مسئلہ میں دلیل مجتہد کا علم ہوتا بھی ہے تو تقلیداً ہوتا ہے۔

عقود رسم المفتی میں ہے کہ دلیل کی معرفت صرف مجتہد کو ہوتی ہے اس لیے کہ یہ اس امر

کی معرفت پر موقوف ہے کہ دلیل ہر معارض سے محفوظ ہے اور یہ معرفت تمام دلائل کے استقراء اور چھان بین کے بعد ہوتی ہے اور اس پر مجتہد کے علاوہ کسی کو قدرت نہیں ہوتی۔

(۲) اجمالی دلیل:۔

جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: "فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" (النحل ۴۳) اور "اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ" (النساء ۵۹) تو اصح قول کے مطابق اس سے علماء کرام مراد ہیں اور حضور ﷺ نے فرمایا: جب انہیں معلوم نہ تھا تو پوچھا کیوں نہیں۔ عاجز کا علاج یہی ہے کہ سوال کرے۔

تقلید اور اس کی اقسام

تقلید عرفی:۔

تقلید عرفی یہ ہے کہ دوسرے کے قول پر کسی دلیل کے بغیر عمل ہو اسے تقلید عرفی کہتے ہیں اپنے امام کے قول کو قبول کرنا تقلید شرعی نہیں تقلید عرفی ہے کیونکہ تفصیلی دلیل کی ہمیں معرفت نہیں۔

تقلید شرعی:۔

تقلید شرعی وہ ہے جس میں تفصیلی دلیل کا علم ہو۔

تقلید حقیقی:۔

تقلید حقیقی کسی حجت کے بغیر غیر کے قول پر عمل کرنا جس طرح عام آدمی اپنی مثل کا قول اختیار کرے اس کے حرام ہونے پر اجماع ہے کیونکہ عام آدمی کا قول سرے سے دلیل ہی نہیں نہ خود اس کے لیے اور نہ دوسروں کے لیے۔

اسی طرح مجتہد کا دوسرے مجتہد کی تقلید کرنا جائز نہیں کیونکہ جب وہ اصل سے اخذ کرنے پر قادر ہے تو اس کے حق میں حجت وہی اصل ہے یہ بھی تقلید حقیقی ہے۔

نوٹ: شریعت میں تقلید حقیقی کی کوئی گنجائش نہیں اور تقلید کی مذمت میں جو کچھ وارد ہے وہ اسی سے متعلق ہے۔

تیسرا مقدمہ:۔

جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اہل نظر و اجتہاد کے لیے جائز نہیں کہ کسی دوسرے مجتہد کی تقلید کرے اور اگر وہ دوسرے کا قول تفصیلی دلیل سے آگاہی کے بغیر لیتا ہے تو جمہور کے نزدیک یہ تقلید حقیقی میں شامل ہے جو بالاجماع حرام ہے عام آدمی کا حکم اس کے برخلاف ہے اس کے لیے تفصیلی دلیل سے ناآشنائی اس پر واجب کرتی ہے کہ وہ مجتہد کی تقلید کرے ورنہ لازم آئے گا کہ اسے ایسے امر (دلیل تفصیلی سے آگاہی) کا مکلّف بنایا جائے جو اس کے بس میں نہیں یا یہ کہ اسے بیکار چھوڑا جائے۔

تفصیلی دلیل سے ناآشنائی کے دو اثر:۔

(۱) صاحب نظر کے لیے وہ تقلید کو حرام ٹھہراتی ہے۔

(۲) غیر اہل نظر کے لیے وہی ناآشنائی تقلید کو واجب ٹھہراتی ہے۔

حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ سے بھی منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ ہمارے قول پر فتویٰ دے جب تک اسے یہ علم نہ ہو جائے کہ ہمارا ماخذ اور ہمارے قول کی دلیل کیا ہے اس بنیاد پر مشائخ حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ کے قول کے خلاف فتویٰ دیتے تھے کیونکہ انہیں آپ کی دلیل معلوم نہ ہوتی اور دوسرے کی دلیل ان کے سامنے ہوتی تو اسی پر فتویٰ دیتے۔

صاحب بحر فرماتے ہیں میں یہ کہتا ہوں کہ یہ شرط مشائخ کے زمانے میں تھی لیکن ہمارے زمانے میں بس یہی کافی ہے کہ ہمیں امام کے اقوال حفظ ہوں (دلیل جاننے کی ضرورت نہیں) قول امام پر فتویٰ دینا جائز بلکہ واجب ہے۔

محقق امام ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں امام صاحب کے قول سے صرف اس وقت انحراف ہوسکتا ہے جب اس کی دلیل ضعیف ہو۔ فتح القدیر میں مزید یہ ہے کہ امام ابن ہمام رحمہ اللہ کو

دلیل میں نظر و فکر کی اہلیت تھی لیکن جو دلیل میں نظر کی اہلیت نہیں رکھتا اس پر یہی لازم ہے کہ قول امام پر فتویٰ دے۔

یہاں اہلیت کا مطلب یہ ہے کہ اقوال کی معرفت اور ان کے مراتب میں امتیاز کی لیاقت کے ساتھ ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی قدرت حاصل ہو۔

بظاہر تضاد:۔

حضرت خیر الدین رملی رحمۃ اللہ علیہ نے اعتراض کیا کہ۔ایک طرف امام صاحب کے قول پر فتویٰ دینا واجب کہا گیا اور دوسری طرف امام صاحب کا ارشاد ہے کہ کسی کے لیے ہمارے قول پر فتویٰ دینا جائز نہیں جب تک اسے یہ علم نہ ہو کہ ہم نے یہ قول کہاں سے لیا ہے تو دونوں باتوں میں تضاد ہے۔

اس کا جواب یوں ہے غیر اہل اجتہاد سے جو حکم صادر ہوتا ہے وہ حقیقت میں افتاء نہیں ۔ وہ تو امام مجتہد سے صرف اس بات کی نقل و حکایت ہے کہ وہ اس حکم کے قائل ہیں جب حقیقت یہ ہے تو غیر امام کے قول کی نقل و حکایت بھی جائز ہے پھر ہم پر کیسے واجب رہا کہ ہم امام صاحب کے قول پر ہی فتویٰ دیں۔

علامہ شامی رحمہ اللہ نے اس کی توضیح فرمائی ہے فرماتے ہیں کہ مشائخ کو دلیلِ امام سے آگاہی حاصل ہوئی انہیں علم ہوا کہ امام نے کہاں سے فرمایا ساتھ ہی وہ اصحابِ امام کی دلیل سے بھی آگاہ ہوئے اس لیے وہ دلیلِ اصحاب کو دلیلِ امام پر ترجیح دیتے ہوئے فتویٰ دیتے ہیں اور ان کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے قول امام سے انحراف اس لیے اختیار کیا کہ انہیں امام کی دلیل کا علم نہیں تھا اس لیے ہم دیکھ رہے ہیں کہ حضرات مشائخ نے دلائل قائم کر کے اپنی کتابیں بھر دیں اس کے بعد بھی لکھتے ہیں کہ فتویٰ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

نتیجہ:۔

مطلقاً فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہوگا۔

مشائخ مجتہدین کے زمانے میں جب وہ امام صاحب کی دلیل سے آگاہ نہ ہوتے تو دوسرے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔

اب امام صاحب کے قول پر ہی فتویٰ ہوگا البتہ جہاں اصحاب ترجیح کسی دوسرے امام کے قول کو ترجیح دیں تو ہم پر لازم ہے کہ مشائخ نے جس قول کو راجح قرار دیا اس پر عمل کریں۔

اور اگر کہیں مختلف اقوال ہوں تو کیا کیا جائے تو علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جیسے ان لوگوں نے کیا ہم بھی اسے طرح کریں یعنی

(۱) عرف و حالات کی تبدیلی کا اعتبار ہوگا۔

(۲) جس میں آسانی ہو اسے اختیار کریں گے۔

(۳) جس پر لوگوں کا عمل درآمد نمایاں ہو اس کو اختیار کیا جائے گا۔

(۴) جس کی دلیل زیادہ قوی ہو اس کو اپنایا جائے۔

اور ہر زمانے میں اقوال میں تمیز کرنے والے ہوں گے اور جس میں تمیز کی لیاقت نہ ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اہل تمیز کی طرف رجوع کرے۔ (منحۃ الخالق علی البحر الرائق)

چوتھا مقدمہ:۔

فتویٰ کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) فتویٰ حقیقی (۲) فتویٰ عرفی

(۱) فتویٰ حقیقی:۔

دلیلِ تفصیلی سے آگاہی کے ساتھ فتویٰ دیا جائے۔ ان حضرات کو اصحاب فتویٰ اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے جیسے فقیہ ابو جعفر، فقیہ ابو اللیث اور ان جیسے دیگر فقہاء۔

فتویٰ عرفی:۔

امام کے قول کا علم رکھنے والا اس تفصیلی دلیل سے آگاہی کے بغیر ان کی تقلید کے طور پر کسی نہ جاننے والے کو (مسئلہ) بتائے جیسے فتاویٰ ابن نجیم، فتاویٰ غزی، فتاویٰ طوریہ، فتاویٰ خیریہ،

فتاویٰ رضویہ وغیرہ۔

پانچواں مقدمہ:۔

قول کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) قول صُوری (۲) قول ضُروری

قول صُوری:۔

وہ قول ہے جو کسی نے صراحتاً کہا اور اس سے نقل ہوا۔

قول ضُروری:۔

وہ قول ہے جو کسی قائل نے صراحتاً اور خاص طور پر نہیں کہا مگر وہ کسی ایسے عموم کے ضمن میں اس کا قول ہو جس سے ضروری (لازمی) طور پر یہ حکم برآمد ہوتا ہے کہ اگر وہ اس خصوص میں کلام کرتا تو اس کا کلام ایسے ہی ہوتا۔

حکم ضروری کب راجح ہوتا ہے:۔

کبھی حکم ضروری حکم صوری کے خلاف ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں حکم صوری کے خلاف حکم ضروری راجح و حاکم ہوتا ہے حتی کہ حکم صوری کو چھوڑ کر حکم ضروری کو لینا قائل کی مخالفت شمار ہوتا ہے اور حکم صوری کو چھوڑ کر حکم ضروری کی طرف رجوع قائل کی موافقت ہوتی ہے۔ مثلاً زید صالح اور نیک شخص تھا تو عمرو نے اپنے خادموں کو صراحتاً اور علانیہ اس کی تعظیم کا حکم دیا اور بار بار دیا اور اس سے پہلے وہ ان کو فاسق کی تعظیم سے منع کر چکا تھا اب اگر زید فاسق ہو جائے (معاذ اللہ) تو اس صورت میں اگر عمرو کے خادم اس کے مکرر شدہ صریح حکم کے مطابق اس کی تعظیم کریں تو عمرو کے نافرمان شمار ہو گے اور اگر اس کی تعظیم ترک کر دیں (اور حکم صوری کی بجائے حکم ضروری پر عمل کریں) تو فرمانبردار ہوں گے۔

حکم ضروری کے اسباب:۔

اسی طرح (درج بالا مثال کے مطابق) آئمہ کے اقوال میں بھی ہوتا ہے اور ان کے حکم

صوری کے خلاف حکم ضروری پایا جاتا ہے جس کے درج ذیل چھ اسباب ہیں۔

(۱) ضرورت (۲) حرج (۳) عرف

(۴) تعامل (۵) کوئی اہم مصلحت جس کی تحصیل مطلوب ہو۔

(۶) کوئی بڑا مفسدہ جس کا ازالہ مطلوب ہو۔

فتویٰ امام کے قول پر ہی ہے:۔

مندرجہ بالا چھ امور ایسے قواعد کلیہ ہیں جن کو تمام آئمہ نے اختیار کیا اور ان کی طرف مائل ہوئے اور یہ شریعت سے معلوم ہیں۔

لہٰذا اگر کسی مسئلہ میں امام کا صریح قول ہو اور ان میں سے کسی سبب کی وجہ سے اسے چھوڑ دیا جائے تو قطعاً یہ یقین ہوگا کہ اگر وہ امام صاحب کے زمانے میں پیدا ہوتا تو آپ کا قول اسی تقاضے کے مطابق ہوتا اس کا رد نہ ہوتا ایسی صورت میں ان سے غیر منقول ضروری قول پر عمل کرنا دراصل ان کے قول پر ہی عمل ہے منقول الفاظ پر ڈٹ جانا ان کی پیروی نہیں۔

عقود میں ایسے بے شمار مسائل ہیں اسی وجہ سے مجتہدین فی المذہب اور متاخرین نے اس حکم کی مخالفت کی جس کی تصریح خود صاحب مذہب کر چکے تھے اور یہ ظاہر الروایت میں موجود ہے کیونکہ وہ تصریح ان کے زمانے کے حالات کے مطابق ہے۔

مثال (نص شارع سے)

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

بلکہ اس کی مثال خود نص شارع سے بھی ملتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد جانے کی اجازت مانگے تو وہ اسے ہرگز نہ روکے۔

(صحیح بخاری ۱۲۰/۱)

نبی اکرم ﷺ نے عید کے دن عورتوں کو عید گاہ میں لانے کا حکم بھی دیا۔

اس کے باوجود آئمہ کرام نے جوان عورتوں کو مطلقاً اور بوڑھی عورتوں کو صرف دن میں

مسجد میں جانے سے منع فرمایا۔ پھر سب کے لیے ممانعت کردی۔

یہ رسول اکرم ﷺ کے اس قول ضروری پر عمل کے تحت کیا جو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس بیان سے مستفاد ہے کہ اگر رسول ﷺ ان عورتوں کا وہ حال مشاہدہ کرتے جو ہم نے کیا تو انہیں مسجد سے روک دیتے جیسے بنی اسرائیل نے اپنی عورتوں کو روک دیا تھا۔

(تفصیل فتاوی رضویہ جلد اول صفحہ ۱۳۰ پر دیکھیے)

چھٹا مقدمہ:۔

قول امام چھوڑنے کا ایک اور باعث ہے جو اصحاب نظر کے لیے خاص ہے وہ یہ کہ اس کی دلیل کمزور ہو یعنی ان حضرات کی نظر میں کمزور ہو۔

ان کے لیے قول امام چھوڑنے کا جواز اس لیے ہے کہ انہیں اسی کی اتباع کا حکم ہے جو ان پر ظاہر ہو۔

باری تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ''اے بصیرت والو! نظر و اعتبار سے کام لو''

اور تکلیف بقدر وسعت ہی ہوتی ہے تو ان کے لیے چھوڑنے کی گنجائش نہیں۔ اور وہ اس وجہ سے امام کی اتباع سے باہر نہیں ہوں گے بلکہ امام کے اس طرح کے قول عام کے متبع ہوں گے۔ آپ نے فرمایا ''اذا صح الحدیث فھو مذھبی'' جب صحیح حدیث مل جائے تو وہ وہی میرا مذہب ہے۔

ردالمحتار وغیرہ متعدد کتب میں ہے کہ جب حدیث صحیح ہو اور مذہب کے خلاف ہو تو حدیث پر عمل ہوگا اور وہی امام صاحب کا بھی مذہب ہوگا۔ اور اس پر عمل کی وجہ سے آپ کا مقلد حنفیت سے باہر نہیں ہوگا۔

نوٹ:۔ یہاں صحت سے فقہی صحت مراد ہے جس کی معرفت غیر مجتہد کے لیے محال ہے۔

ساتواں مقدمہ:۔

جب تصحیح میں اختلاف ہو تو امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول مقدم ہوگا ردالمحتار میں ہے کہ

جب تصحیح میں اختلاف ہو تو اسی کو لیا جائے گا جو امام کا قول ہے اس لیے کہ صاحبِ مذہب وہی ہیں۔

سوالات

(۱) افتاء کی تعریف کریں اور بتائیں کہ اس کے لیے کیا بات ضروری ہے؟

(۲) دلیل کی کتنی اور کون کون سی قسمیں ہیں تفصیل سے ذکر کریں؟

(۳) تقلید کسے کہتے ہیں اس کی کتنی اور کون کون سی اقسام ہیں اور ان میں کونسی قسم حرام ہے؟

(۴) تفصیلی دلیل سے نا آشنائی کے اثرات کیا ہیں؟

(۵) امام اعظم رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دینا واجب ہے اور آپ نے کبھی فرمایا کہ جب تک ہماری دلیل کا علم نہ ہو ہمارے قول پر فتویٰ نہ دیا جائے اس تضاد کا تفصیلی جواب بتائیں؟

(۶) فتویٰ حقیقی اور فتویٰ عرفی کی تفصیل سے وضاحت کریں؟

(۷) قول صوری اور قول ضروری کی تعریف کریں اور یہ بتائیں کہ حکم ضروری کب راجح ہوتا ہے اس کی مثال بھی ذکر کریں؟

(۸) حکم ضروری کے اسباب کی وضاحت کریں؟

(۹) فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہی اس کی تفصیل کیا ہے؟ اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے شارح کی نص سے مثال دی ہے، اس کی وضاحت کیجئے؟

(۱۰) امام صاحب رحمہ اللہ کے قول کو چھوڑنے کی ایک وجہ دلیل کی کمزوری ہے اس حوالے سے وضاحت کریں؟

(۱۱) تصحیح میں اختلاف کی صورت میں کیا طریقہ اختیار کیا جائے اور کیوں؟